یورپ اور اسلام کے نظریہ ماڈرنزم کا تقابلی جائزہ

A Comparative Analysis of the Theory of Modernism of Europe and Islam.

Dr. Hafiz Iftikhar Ahmad *

Abstract

In this article an effort has been done to explain and differentiate between the terms which have been adopted blindly by the world genius people of the world at international scenario. These terms have gained a lot of controversy in their percept meanings in different areas of the world. Different countries and nations are trying to derive such meanings which can fulfill their lusty desires. But it is also a fact that in the propagandized environment, no one is ready to admit his fault and foible because every nation has become worshiper of its own notorious beliefs which are totally fatal for the peace, harmony and security of the human beings.

Key Words: Modernity, Fundamentalism, Europe, Islam, civilizations,

اس مقالہ کو لکھنے سے پہلے ہم یہ بات بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ کام ہم کیوں کرنے جا رہے ہیں اور عصر حاضر میں اس موضوع پر کچھ لکھنے کی کتنی ضرورت ہے؟ اگر یہ ضرورت پیش آئی ہے تو کس لیے؟ تو اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ آج کے اس پر فتن دور میں جب لوگ تعلیمی تحقیق سے عاری ہوں اور سنی سنائی باتوں پہ یقین کیا جاتا ہو، اسلامی فکر کا دائرہ محدود کیا جا رہا ہو اور ہر چیز پر یورپی فکر کا لبادہ اوڑھ کر اس کو مغربی تہذیب کا نام دیا جا رہا ہو اسلامی تہذیب کو قدامت پسند اور دور جدید کے تقاضوں کے لیے ناموزوں قرار دے کر اس پر عصر جدید کی فکری یلغار کی بوچھاڑ کی جا رہی ہو تو اس لیے ضروری تھا کہ قدامت پرستی اور روشن خیالی کی اصطلاحات وافکار کو خوب واضح کر دیا جائے تا کہ روشن خیالی، اور قدامت پسندی جیسی اصطلاحات کا مغربی تصور، ارتقاء، تاریخ اور مقاصد کی حقیقت کو آشکارا کر دیا جائے تا کہ اس فکر کے بارے میں کسی کو کوئی غلط فہمی نہ رہے اور حقیقت حال سے خوب آگاہ ہو جائے۔ ذیل میں ان چند مغربی اصطلاحات کا تعارف اور ان کے حوالے سے مغرب کا نظریہ پیش کرتے ہیں جن میں روشن خیالی، اعتدال پسندی، بنیاد پرستی، اور جدیدیت کا مغربی تصور، ان کا لغوی و اصطلاحی مفہوم، آغاز و

* Chairman Department of Islamic Studies The Islamia University of Bahawalpur

ارتقاء اور مقاصد کیا تھے۔ ان کے درمیان آپس میں کیا فرق پایا جاتا ہے۔ مختلف سکالرز نے ان پر کس انداز میں اپنی آراء پیش کی ہیں۔

اب ہم ذیل میں روشن خیالی کی تعریف، مغربی تصور، اور ارتقاء کے بارے کچھ باتیں تفصیلا تحریر کریں گے۔

روشن خیالی کی تعریف

روشن خیالی کی تعریف کرتے ہوئے لانگ مین ڈکشنری کے مصنف لکھتے ہیں :

The state of understanding something clearly or the act of making someone understand something clearly.

کسی چیز کو واضح طور پر سمجھنے یا کسی کو واضح طور پر کوئی چیز سمجھانے کا عمل روشن خیالی(Enlightenment) کہلاتا ہے۔اس سے اگلی چند سطور میں روشن خیالی کی مزید وضاحت ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے :

A period in the eighteenth century when many writers and scientists believed that science and knowledge, not religion, could improve people's lives.1

Enlightenment:

"A period in the eighteenth century when many writers and scientists began to argue that science and reason were more important than religion and tradition.2

روشن خیالی ایک ایسا منبع و مآخذ ہے جس سے اعتدال پسندی بر آمد ہوتی ہے اور انتہا پسندی اس کا الٹ ہے، جس کا منبع و ماخذ تاریک خیالی ہے۔

روشن خیالی کا فکری ارتقاء

سولہویں صدی کے اختتام پر مغرب میں تکنیکیت کا عمل شروع ہوا۔ جس نے ایک بالکل نئی قسم کا معاشرہ اور انسانیت کا ایک نیا تصور پیدا کیا۔ ناگزیر طور پر اس کے نتیجے میں خدا کا کردار اور فطرت کے بارے میں مغربی ادراک بھی متاثر ہوا۔ نئے انڈسٹر یلائزڈ اور مستعد مغرب کی کامیابیوں نے تاریخ کا دھارا بھی بدل ڈالا۔ دیگر ممالک نے مغرب کو نظر انداز کرنا بہت مشکل پایا۔ چونکہ تاریخ میں اس سے قبل کسی بھی معاشرے میں اس قسم کی صورتحال پیدا نہیں ہوئی تھی اس لیے مغرب کو کچھ بالکل نئے اور مشکل مسائل کا بھی سامنا ہوا۔ مثلاً اٹھارہویں صدی تک اسلام افریقہ' مشرق وسطیٰ اور میڈیٹیرین علاقہ میں غالب عالمی قوت ہوا کرتا تھا۔ اگرچہ مغرب کی پندرھویں صدی کی نشاۃ ثانیہ نے اسے کئی حوالوں سے اسلامی سلطنت پر فوقیت دلادی تھی' مگر مختلف اسلامی طاقتیں اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو گئیں۔ عثمانیوں نے یورپ میں اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور مسلمان لوگ پر تگیزی حملہ آوروں اور تاجروں کی یلغار کو روکے رکھنے میں کافی حد تک کامیاب رہے۔ تاہم اٹھارہویں صدی کے اختتام پر یورپ نے دنیا پر غلبہ پانا شروع کر دیا تھا' اور اس کی ہر قسم کی کامیابی کا مطلب تھا کہ باقی دنیا کے لیے اس کی ہمسری کرنا ناممکن ہو گا۔ برطانیہ نے ہندوستان میں بھی اپنی حکومت قائم کرلی تھی' اور یورپ میں دنیا بھر کے لوگ آکر بسنے لگے تھے۔

مغربیت کا عمل شروع ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی سیکولرازم کے مسلک کی بھی ابتدا ہوئی۔ جس نے خدا کی آزادی کا مطالبہ کیا۔3 جدید مغربی فکر کے اس ارتقاء کو گریٹ ویسٹرن ٹرانسفارمیشن (Great Western Transformation) کہا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں مغرب بتدریج ساری دنیا پر سیاسی اور فکری غلبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس فکری اور سیاسی تبدیلی کی بنیاد "ریشنلزم" پر تھی۔ ٹیچروں، کلیساؤں اور حکمرانوں کی محتاجی سے آزاد ہو کر زندگی کے حقائق اور انسانی رویوں کا خالصتاً عقلی تجزیہ روشن خیالی کہلایا۔ آغاز میں انسان اور خدا کے تعلق پر سوالات اٹھائے گئے۔ پھر پیغمبروں اور الہامی کتابوں کو مشکوک اور ناقابل اعتبار ٹھہرایا گیا۔ بالآخر ڈارون نے انسان کو حیوان کی ترقی یافتہ شکل قرار دے دیا۔ مصنف مذکور نے اس ارتقاء کی منظر کشی کچھ اس طرح سے کی ہے: جدید مغربی فکر کا ارتقاء جن خطوط پر ہوا ہے وہ زندگی کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والے ہیں۔ سب سے پہلے "دیکارت" نے روح اور مادّے کے وجود کی وحدانیت کا ابطال کیا۔ اس کے فلسفۂ ثنویت میں روح اور مادّہ دو مستقل بالذات وجود ہیں۔ "لائینز" نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور مستقل بالذات وجود کی کثرت کا نظریہ پیش کیا۔ اب ہر "روحیہ" یا جوہر خود ایک کائنات تھا اور اپنا جداگانہ وجود رکھتا تھا اور اپنی مخصوص نظر سے پوری کائنات کی عکاسی کر رہا تھا۔ "لاک اور ہیوم" کے زیر اثر کمیت کی اہمیت بڑھ رہی تھی اور کیفیت کی قدر کم ہو رہی تھی۔ طبیعیات اور حسابیات کی ترقی نے اس رجحان کو اور بھی تیز کر دیا اور نتیجتاً مغربی فکر کی سب سے اہم خصوصیت، 'کل' سے 'جزو' کی طرف مراجعت ہو گئی۔

روشن خیالی کی نشاۃ ثانیہ اور سیکولرازم

روشن خیالی کی نشاۃ ثانیہ کے بارے میں کئی سکالرز نے قلم اٹھایا ہے اور اس کی پروان چڑھنے کی منزلوں کو بیان کیا ہے۔ ان میں سے وضاحت کرنے والے پروفیسر خورشید احمد یوں لکھتے ہیں کہ روشن خیالی بھی مغرب کی تہذیبی و فکری تاریخ کی ایک معروف اصطلاح ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وحی کی بجائے عقل کی بنیاد پر تمام معاملات کا حل تلاش کیا جائے۔ آخرت اور روحانی پہلو غیر متعلق ہیں اور اصل میدان کار صرف یہ دنیا اور اس کے امور ہیں اور سیکولرازم اس کا لازمی جزو ہے۔ سیکولرازم ضد ہے زندگی کے اس تصور کی جو دنیا کے معاملات کو دین اور وحی کے ذریعے حاصل شدہ علم و اقدار کی بنیاد پر مرتب کرنے کا داعی ہے۔ یہ کہنا کہ سیکولرازم کا تعلق محض مذہبی رواداری یا اقلیتوں سے خوش معاملگی سے ہے، علم سیاست اور تاریخ دونوں سے لاعلمی کا غماز ہے۔

جدید مغربی تہذیب کے چند مقاصد پیش کرتے ہیں، جن کو بنیاد بنا کر یورپی فکر کو عام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مغربی روشن خیالی کے مقاصد فلسفۂ مادیت

فلسفۂ مادیت سے مراد دو چیزیں ہیں۔ اوّل ایک خاص مابعد الطبیعاتی (یا زیادہ صحیح معنوں میں طبیعیاتی) نظریہ جو عبارت ہے زندگی کے میکانکی تصور سے اور دوم مادیت کا اخلاقی نظریہ۔ پہلے نظریے کے مطابق دنیا میں مادے کے سوا کوئی چیز حقیقی نہیں، حتیٰ کہ

انسان کا شعور و ارادہ بھی برقیہ اور سالمیہ ہی کی کرشمہ سازی ہے اور اس کائنات کو سمجھنے کے لیے طبیعی قوانین کے علاوہ کسی چیز کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں۔ مادیت کے اخلاقی نظریے کے مطابق، جو حقیقتاً مادیت کے مابعد الطبیعیاتی نظریے ہی کا منطقی نتیجہ ہے، انسان کو اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو وہ صرف جسمانی احتیاجات کی تسکین ہے۔ لہٰذا قابل غور شئے وہی ہے جو ان ضروریات کی تکمیل کرے۔ اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کی کوئی قیمت نہیں۔ انسانی کوششوں کا مقصود بھی صرف وہی چیز ہو سکتی ہے جو بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر لذت و منفعت کا باعث ہو۔

لادینیت

:مادی طرز فکر کا لازمی نتیجہ لادینیت ہے۔ اگر مادہ سب کچھ ہے اور اگر یہ کائنات خود بخود پیدا ہو گئی ہے تو ظاہر ہے کہ کائنات کا نہ کوئی خالق ہو سکتا ہے اور نہ کوئی ناظم۔ پھر جب نعوذ باللہ کوئی خالق و ناظم ہی نہیں پس تو اعمال کے حساب اور ان کی جزا و سزا کا بھی کوئی سوال پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ میکانی تصورِ حیات کے غلبے کے بعد مغربی ممالک کے نسبتاً کم لوگ صحیح معنوں میں خدا کے قائل ہیں۔ اپنے مذہب سے والہانہ محبت کے باوجود لادینی خیالات کے غلبے کی وجہ سے وہ دوسرے مذاہب سے تعصب و عناد کے علاوہ اور کسی طریقۂ فکر پر زیادہ اثر انداز نہیں ہوتے اور زندگی کے عام دھارے کو موڑ نہیں سکے۔ :فلسفۂ مادیت کا دوسرا منطقی نتیجہ حاکمیت انسان ہے۔ اگر یہ دنیا بغیر کسی خالق کے پیدا ہو گئی اور کوئی اس کا مالک و خالق نہیں ہے تو کسی ایسی ہستی کا ذکر کرنا بے سود ہے جس سے کسی قسم کی ہدایت اور رہبری کی امید کی جا سکے۔ لہٰذا انسان خود ہی اپنا مالک ہے۔ جس طرح وہ چاہے اصول وضع کرے اور جس اصول کو چاہے توڑ دے۔ عقل کی رہبری اور اس کے اصول کی پابندی اپنے اوپر عائد کرنے سے جمہور فلاح پا سکتے ہیں۔

جذبۂ قوم پرستی

قوم پرستی ایک ایسا جذبہ ہے جو مذہب کے خاتمے کے بعد اجتماعی نصب العین اور اتحادی عامل کی کمی کو پورا کرتا ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں مسیحیت یورپ کے مختلف ممالک کو جوڑنے والی قوت تھی۔ اس اشتراک کی بنا پر پورا یورپ باوجود سیاسی تقسیم کے ایک وحدت تصور کیا جاتا تھا۔ لیکن مذہب کے کلی استیصال کے بعد قوم ہی اصل وحدت قرار پائی۔ اس عقیدے کے مطابق قوم کو وہی درجہ حاصل ہے جو مذہب میں شارع کو دیا گیا ہے۔ قوم خطا و نسیان سے معصوم ہے۔ اس سے لغزش اور غلطی کا صدور ممکن نہیں۔ تمام افراد اس کی ملک ہیں اور ان پر اس کی اطاعت فرض عین ہے۔ اس کو حق ہے کہ جس امر میں جو چاہے فیصلہ کرے۔ فرد کی پہلی اور آخری وفاداری صرف قوم کے لیے ہے اور اس میں کوتاہی کفر سے کم نہیں۔ اس طرز فکر کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف قوموں اور ملکوں نے اپنے سیاسی تسلط اور استعمار کے جو چھوٹے چھوٹے دائرے کھینچے تھے۔ ان کی حدود سے نکل کر سوچنا ان کے لیے قریب قریب ناممکن ہو گیا۔ انہوں نے ہر اس چیز کو باطل خیال کیا جو ان کی خاک وطن سے تعلق نہ رکھتی

تھی۔ یہ قوم پرستانہ ذہنیت تو یہاں تک بڑھ گئی کہ قوموں نے کسی غیر ملک سے آئی ہوئی ان اعلیٰ اقدار کو ماننے سے بھی انکار کر دیا جن کو خدا کے پاک بندوں نے وقتاً فوقتاً پیش کیا تھا اور جن میں کسی ایک قوم یا ملک کے مفاد کی حفاظت مقصود نہ تھی بلکہ پوری نوع انسانی کی فلاح مطلوب تھی۔

حیوانی ازدواج کا نظریہ

:اس خطرناک فلسفے کے معنی یہ ہیں کہ شرم وحیا اور عصمت وعفت، جن کو انسان اب تک قابل قدر صفات سمجھتا رہا ہے، وہ سب اضافی ہیں جو زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ آج کے دور میں ان کی حیثیت ماضی کے افسانوں سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہ وہ زریں جال ہیں جو عورت کے لیے تیار کیے گئے ہیں۔ عورتوں کو چاہیے کہ وہ ان کی بوسیدہ رسیوں کو توڑ کر آزاد ہو جائیں۔ عورتیں ہر لحاظ سے مرد کے برابر ہیں۔ انہیں زندگی کی دوڑ دھوپ میں برابر کا شریک ہونا چاہیے۔ خانہ داری کے فرائض میں مقید رہنا غیر فطری ہے۔ جنس ایک حیوانی جذبہ ہے جس کی تکمیل کے لیے نہ کسی خاص انتظام کی ضرورت ہے اور نہ اس سے زن وشوہر کے مختلف کردار کی دلیل فراہم ہوتی ہے۔ اس باطل فلسفے کا اثر یہ ہوا کہ پہلے تو نکاح کی گرفت ڈھیلی ہوئی، اس کے بعد نکاح سے عام بے زاری کا رجحان پرورش پانے لگا اور بالآخر خاندانی نظام کی مضبوط عمارت پیوند خاک ہو گئی۔ اولاد کی خواہش بھی آہستہ آہستہ سرد پڑنے لگی اور تحریکِ ضبطِ ولادت نے اسے اور بھی کمزور کر دیا۔ اولاد خاندان کے شیرازے کو مضبوطی سے باندھے رکھنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اس میں کمی ہوئی تو خاندانی نظام اور بھی کمزور ہوا۔ اس کی تباہی نے انسانی معاشرے پر جو اثرات ڈالے ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(الف)بچوں کی تربیت اور نگہداشت سے عام لاپروائی۔)ب) صنفی انارکی۔4

آیئے !ایک نظر مغربی مفکر اور روشن خیال نظریہ کے حامی کانٹ کے نظریہ روشن خیالی پر ڈالتے ہیں جس میں وہ اپنے نظریہ کو کس انداز میں پیش کرتا ہے۔

کانٹ کے نزدیک روشن خیالی کی تفصیلی وضاحت

The present may also be analyzed as a point of transition toward the dawning of a new world. That is what Vice describes in the last chapter of La Scienza Nuova; what he sees today is a complete humanity ... spread abroad through all nations, for a few great monarchs rule over this world of people's; it is also 'Europe ... raciant with such humanity that it abounds in all the good things that make for the happiness of human life.'

Now the way Kant poses the question of Aufklarung is entirely different: It is neither a world era to which one belongs, nor an event whose signs are perceived, nor the dawning of an accomplishment Kant defines Aufklarung in an almost entirely negative way, as an Ausgang, an 'exit,' a 'way out'. In his other texts on history, Kant occasionally raises questions of origin or defines the internal teleology of a historical process. In the text on Aufklarung, he deals with the question of contemporary reality alone. He is not seeking to understand the present on the basis of a totality or of future achievement. He is looking for difference; what difference does today introduce with respect to yesterday?5

کانٹ روشن خیالی کی وضاحت کرتے ہوئے آگے چل کر چند پیراگرافس کے بعد یوں لکھتا ہے

Enlightenment is a process that releases us from the status of 'immaturity,' and by immaturity he means a certain state of our will that makes us accept someone else's authority to lead us in areas where the use of reason is called for. Kant gives three examples: We are in a state of 'immaturity' when a book takes the place of our understanding, when a spiritual director takes the place of our conscience, when a doctor decides for us what our diet is to be. Enlightenment is defined by a modification of the preexisting relation linking will, authority, and the use of reason.

We must also note that this way out is presented by Kant in a rather ambiguous manner. He characterizes it as a phenomenon, an ongoing process; but he also presents it as a task and an obligation. From the very first paragraph he notes that man himself is responsible for his immature statues. Thus it has to be supposed that he will be able to escape from it only by a change that he himself will bring about in himself. Significantly, Kant says that this Enlightenment has a Wahlspruch: now a Wahlspruch is a heraldic device, that is, a distinctive feature by which one can be recognized and it is also a motto, an instruction that one gives ones and purposes to others.6

کانٹ روشن خیالی کو ذہنی بلوغت کی طرف سفر کا نام دیتا ہے جس میں لوگ اپنی مرضی سے کسی اتھارٹی کو لیڈر شپ کے لیے قبول کر لیں، ہر ایسے موقع پر جہاں دلیل اور تجربے کی ضرورت ہو۔ وہ اس کی مثال اس طرح دیتا ہے کہ مثلاً ایک روحانی بزرگ جب وہ ہمارے دل و دماغ میں جگہ بنالیتا ہے تو ہم اس کی بات مانتے چلے جاتے ہیں۔ وہ واضح کرتا ہے کہ آدمی اپنے ذہنی ارتقاء کا خود ذمہ دار ہے۔۔ یہ ایک اہم چیز ہے جسے آدمی اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی تجویز کرتا ہے۔

مذکورہ گفتگو سے جو اہم بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی مکمل طور پر عقل، تجربے اور ذاتی خصوصیات پر انحصار کرے، خود بھی ان سے فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے۔ آہستہ آہستہ یہ چیز اسے ذہنی ارتقاء کی طرف لے جائے گی اور اسی

کو روشن خیالی کہتے ہیں۔ اس آسمانی وحی کا کہیں ذکر موجود نہیں ہے۔ جبکہ اسلام ہر اس بات کو وحی الٰہی کی روشنی میں عقل کے ساتھ پرکھنے کا حکم دیتا ہے۔ لہٰذا ایسی روشن خیالی جو فقط ذاتی تجربے اور عقل کو ہی حرفِ آخر سمجھتی ہے۔ وہ خالصتاً الٰہی اور نبوی احکام سے انحراف عبارت ہے

مغربی اعتدال پسندی کا مفہوم

:اعتدال پسندی سے مراد ہے درمیانی راہ پر ہونا، جبکہ مغرب والوں کے نزدیک اعتدال پسندی سے مراد ہے آدمی کو کھلی آزادی دے دینا، اس کے جی میں جو آئے وہ کرتا پھرے، اس کو کوئی پوچھنے والا نہ ہو، اور اگر کوئی کچھ کہے تو جواب یہ دیا جائے کہ میرے جی میں یہ بات چونکہ آگئی اس لیے میں نے کر ڈالی۔ وہ کام چاہے جس نوعیت کا ہو اس سے کسی کو کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے

اعتدال پسندی

اب ہم اعتدال پسندی کی لانگ مین ڈکشنری میں کی جانے والی تعریف پیش کرتے ہیں

Willingness to allow people to do, say or believe what they want without criticizing them.[7]

ترجمہ: ایسی فکر جس میں لوگوں کو اس بات کی اجازت ہو کہ جو کچھ وہ چاہیں کریں، کہیں یا عقیدہ رکھیں اور ان پر تنقید کرنے کا حق کسی کو حاصل نہ ہو۔

The willingness to accept or Tolerate especially opinions or behavior that you may not agree with, or people who are not like you :She had no tolerance for jokes of any kind, religious tolerance.[8]

Tolerance in Western Religions:

The tradition of religion tolerance exists in the religion of the west as well as those of the East. The judos-Christian tradition, which predominates in the West, has been criticized for its intolerant past, but it contains shining examples of toleration. Judaism recognizes the infinite worth of every person. Divergent faith is shown respect in the Talmud. The tradition of Judaism unhesitatingly affirmed religious rights of other .God's covenant with Israel was empathic that "All the families of the earth are to be blessed"(Genesis 12:3).In the tosefta, rabbi Joshua declares that "There are righteous men among the nation who have a share in the world to come"(Tosefta Sanhedrin 13:2)

The mishmash accordingly state that "Therefore was a single person first created to teach thee that if anyone destroys a single soul133Scripture charges him as though he had destroyed a whole world, and whosoever rescues a single soul

133Scripture credits him as though he had saved a whole world"(Mishmash Sanhedrin 4:5).Even as recently as the twentieth century, Rabbi Abraham Heschel, one of the most respected of modern Jewish scholar, had said that "God's voice speaks in many languages"(God in search of man 142).In Christianity the whole of humanity is created in the image of God. Christian Scripture speak of "the true light, which lighted every man that comet into the world"(John 1:9).All human beings are treated equally. Peter, who was a leader of early Christianity and one of Jesus, disciples, is one of the most eloquent in this respect, stating, Truly, I perceive that God shows no partiality, but in every nation anyone who fears and does what is right is acceptable to him"(Acts 10:34-35)Matthew wrote of the principle of voluntarism with the world "whosoever will" and "if you want to "making it clear that there was no compulsion in Christianity "(Matthew 19:21-22).The book of revelation similarly tolerate the right of the nonbeliever when it record, "Behold I stand at the door and knock ;I will come into his house and eat with him, and he will eat with me"(Revelation 3:20)[9]

اعتدال پسند کی تعریف

اعتدال پسند سے مراد وہ شخص ہے جس کے خیالات و افکار معتدل ہوں یا اس کا تعلق ایک ایسے گروہ سے ہو جو ایک معتدل طریقہ کار اور پروگرام کے حق میں ہو اسلام دراصل اعتدال کی راہ کا نام ہے اسلام کا دوسرا نام صراط مستقیم ہے۔جو دو منزلوں کے درمیان سب سے مختصر اور ادر میانی راہ ہے، اور درمیانی اور سیدھی راہ ہر آدمی کو بھلی لگتی ہے۔اس لیئے اسلام اعتدال اور اعتدال پسندوں کو پسند کرتا ہے۔10

مغربی اعتدال پسندی کا پس منظر

مغرب اور فلسفۂ مغرب عصر حاضر کا اہم ترین موضوع ہے۔ مغربی تہذیب بظاہر ایک غالب طاقت، تہذیب کے طور پر دنیا بھر میں اثر ونفوذ کر رہی ہے۔ لیکن مغربی تہذیب، مغربی فلسفے اور مغربی فکر کی اساس کیا ہے؟ مغرب اور مغربی فلسفہ کی مبادیات کیا ہیں؟ اس فکر کا صغریٰ، کبریٰ کیا ہے؟ اس کی علمیات Epistemology اور Ontology کیا ہے؟ اس فکر میں مابعد الطبیعیاتی سوالات کا کیا مقام ہے؟ عصر حاضر میں مغربی فکر کے نفاذ کی کیفیت اور اس کا حقیقی پس منظر کیا ہے؟ مغربی استعمار نے اس سلسلے میں کیا کیا ہتھکنڈے استعمال کیے۔ ان کی فکر کی مزید کتنی عمر باقی ہے؟ یہ جاننا بھی از حد ضروری ہے تاکہ ہم مغرب، مغربی فلسفہ، مغربی تہذیب، مغربی افکار، اس کی تاریخ، ماہیت، حیثیت، حقیقت اور انسانی تاریخ پر اس کے اثرات سے واقف ہو سکیں اور اس کا اسلامی علمیات کی روشنی میں محاکمہ کرنے کے قابل ہو سکیں۔

اعتدال پسندی کا ارتقاء

جدید یورپی فلسفہ کا مطالعہ کرنے کے لیے 2 دور خصوصیت کے ساتھ اہم ہیں- انیسویں صدی میں صنعتی انقلاب کی وجہ سے فلسفہ مادیت پھیلا اور اس نے تمام دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ حسن عسکری مزید لکھتے ہیں: "فلسفہ میں تو اس نظریہ کے معنی یہ ہیں کہ فطرت (مادی و حسی کائنات) کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں مگر انیسویں صدی کے مغربی شعر وادب میں ایک خاص قسم کی فطرت پرستی رائج ہوئی۔ یہاں فطرت سے مراد میدان، پہاڑ، دریا، پھول، چڑیاں وغیرہ ہیں۔ اس صدی میں ان چیزوں کے بارے میں ہزاروں نظمیں لکھی گئیں بظاہر تو اس میں کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی مگر عموماً ایسے شاعروں کا عقیدہ یہ تھا کہ فطرت جاندار ہے اور خود اپنی توانائی سے زندہ ہے اور حقیقت عظمیٰ بھی فطرت کی مختلف اشکال کے اندر رہتی ہے۔ بعض لوگ تو صاف طور سے (فطرت کے لیے) خدا کا نام لیتے ہیں۔" 11

انیسویں صدی میں تحریک استشراق پیداء ہوئی جو اپنی کاروائیاں سرانجام دیتی رہی، جس کی کوششیں خاص طور پر مغربی علوم کو عام کرنے اور ان کی ترویج کے لئے تھیں جس کی وجہ سے اس تحریک کو مزید تقویت مل گئی۔ اس کی چند کاروائیاں درج ذیل ہیں

"انیسویں صدی میں ہی مستشرقین کی تحریک پیدا ہوئی۔ مشرقی علوم اور ادیان کے بارے میں مغربی لوگ پہلے بھی لکھتے رہے ہیں خصوصاً اٹھارویں صدی میں ہندوؤں اور چینیوں کے علوم کی طرف خاص توجہ ہوئی ہے لیکن مستشرقین کے کام نے ایک باقاعدہ تحریک کی شکل انیسویں صدی میں اختیار کی۔ اس کام کی ایک تو سیاسی ضرورت تھی کیونکہ مغرب نے مشرقی ممالک میں اپنی شہنشاہیت قائم کر لی تھی۔ لہٰذا مفتوحہ قوموں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی ضرورت پیش آ رہی تھی۔ دوسرے عیسائی مشنریوں کو اپنا کام کرنے کی پوری آزادی اور حکومتوں کی حمایت حاصل ہو گئی تھی۔ انہوں نے بھی اپنے مقاصد کے تحت مشرقی علوم کے مطالعہ کی طرف توجہ کی۔ مگر ان دو مقاصد کے علاوہ مستشرقین کے پیچھے بہت سے وہ رجحانات کام کر رہے تھے۔ جو اوپر گنوائے گئے۔ مثلاً مذہب کا تقابلی مطالعہ، تاریخ پرستی، عمرانیات، آزاد خیالی وغیرہ۔ چنانچہ مستشرقین میں بعض "پرخلوص" لوگ بھی ہوئے ہیں لیکن ان کا ذہن اب مسخ ہو چکا ہے کہ وہ چیزوں کی حقیقت کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے"۔12

بیسویں صدی

اب ہم مغربی اعتدال پسندی کا دوسرا دور جس کو ہم بیسویں صدی کا دور کہہ سکتے ہیں کہ اس میں اعتدال پسندی کا ارتقاء جس انداز سے ترقی کرتا گیا ویسے ویسے اس کا دائرہ کار وسیع ہوتا گیا۔ اس کی وضاحت ہم حسن عسکری کے درج ذیل پیراگراف سے لگا سکتے ہیں

"یہ دور بہت ہی پیچیدہ ہے اور نہایت اہم۔ اہم تو اس لیے ہے کہ مغرب نے اس دور میں موٹر، ہوائی جہاز، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، مصنوعی سیارے اور اس قبیل کی چیزیں ایجاد کر کے اپنی مادی طاقت کا مظاہرہ کیا ہے اور یہ بھی دکھا دیا ہے کہ مغرب کے پاس نفسانی خواہشات کی تسکین کا کتنا کچھ سامان موجود ہے۔ ان مظاہروں سے مشرق کا ذہن بھی شدید طور سے متاثر اور مرعوب ہوا ہے اور مشرق بھی بڑی تیزی سے مغرب بنتا جارہا ہے۔13

اس پیرے میں بیسویں صدی کے دو فلسفیوں کی روداد حسن عسکری کی زبان میں پیش کرتے ہیں:

"بیسویں صدی کے فلسفوں میں سب سے پہلے امریکہ کے دو فلسفیوں ولیم جیمز اور جان ڈیوی کا نام آتا ہے۔ ان کے فلسفے کو "عملیت (Pragmatism) "کہتے ہیں۔ ان لوگوں کی رائے ہے کہ کوئی خیال یا نظریہ بذات خود صحیح یا غلط نہیں ہوتا، بلکہ ہر خیال کی قدر و قیمت کا فیصلہ اس لحاظ سے ہونا چاہیے کہ عملی یعنی مادی زندگی میں اس کے اثرات اور نتائج کیا ہوں گے۔ یہ فلسفہ اصل فلسفہ اور فکر ہی کا خاتمہ ہے۔ ولیم جیمز نے دراصل فلسفے ہی کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور ہوا بھی یہی ہے کہ پرانے زمانے میں جس چیز کو فلسفہ کہتے تھے وہ اب ختم ہو گیا ہے۔ ولیم جیمز نے عقل (جزوی) کے مقابلے میں "تحت الشعور" نکالا۔ اس کے نزدیک انسانی افعال پر عقل کی بجائے تحت الشعور زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ یعنی جبلتیں انسان پر حکمرانی کرتی ہیں۔ روح کو تو لوگ بھول ہی گئے تھے، جیمز نے نفس کو بھی خالص طور سے جسمانی عوامل میں ملا دیا۔" 14 بیسویں صدی میں ایک چیز بڑی اہمیت اختیار کر گئی ہے۔۔۔ وقت یا فلسفہ زمان۔ سائنس، فلسفہ، نفسیات، ادب ہر جگہ وقت کی ماہیت سے تعرض ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ وقت کا پرانا نظریہ بالکل غلط ہے۔ وہ پرانا نظریہ وقت کو ایک لکیر یا خط کی شکل میں پیش کرتا تھا (Linear Time) یعنی وقت تین الگ الگ حصوں میں بٹا ہوا تھا۔۔۔ ماضی، حال اور مستقبل اور یہ تینوں حصے الگ الگ تھے۔ چنانچہ جو لمحہ ماضی بن گیا وہ نہ تو حال بن سکتا تھا نہ مستقبل۔ دوسرے لفظوں میں، ہر لمحہ پیدا ہو جانے کے بعد مر جاتا تھا۔ وقت کا نیا نظریہ کہتا ہے کہ وقت لکیر کی طرح نہیں، بلکہ دائرے کی طرح یا چکر دار ہے (Circular Time) ۔ ماضی، حال اور مستقبل الگ الگ نہیں، بلکہ ہر لمحہ میں موجود ہیں۔ وقت کبھی نہیں مرتا۔ اس سارے فلسفے کی غرض یہ ہے کہ وقت خارجی چیز نہیں، بلکہ اندرونی چیز ہے۔ یا یوں کہیے کہ نفس وقت کو جو معنی چاہے دے سکتا ہے۔

بنیاد پرستی کے بارے عیسائیوں کے نظریات

بنیاد پرستی کی اصطلاح بنیادی طور پر ایک عیسائی اصطلاح ہے جس کا استعمال انیسویں صدی عیسوی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں ہوا۔ مذکورہ اصطلاح کا اطلاق امریکہ میں بعض ان پروٹیسٹنٹ عیسائی امریکی گروپوں کے لئے ہوا تھا یا ہو رہا ہے جو انجیل کی لفظیت پر شدت کے ساتھ جمے رہنے کے قائل تھے۔ آگے چل کر متعدد انگریزی لغات اور عیسائی روایات کی مدد سے بنیاد پرستی کی اصطلاح سے متعلق کئی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو گا اور اس کے استعمال کا صحیح پس منظر سامنے آسکے گا۔ البتہ اس سے

قبل مغرب کے بارے میں بھی کچھ جان لینا ضروری ہے کیونکہ ہمارا موضوع "مغرب اور اسلامی بنیاد پرستی" ہے ظاہر ہے کہ مغرب عام معنوں میں یہاں استعمال نہیں ہوا یہ نہ تو کوئی سمت ہے اور نہ محدود جغرافیائی خطہ بلکہ موضوع کے تحت مغرب کو بھی بطور اصطلاح کے استعمال کیا گیا ہے۔لہذا پہلے بہت ہی مختصر طور پر مغربی اصطلاح کا تعارف کرایا جارہا ہے۔

مشترکہ اداروں اور روایتوں والی یورپی اقوام جو ایشیا کے مغربی جانب واقع ہیں اور مشرق سے نمایاں طور ہر مختلف ہے۔گویا مغرب کسی خاص سمت یا رخ کا نام نہ ہو کر،نہ کسی خاص خطے یا ملک کا بلکہ ایک خاص کلچر،تہذیب اور ثقافت کی حامل اکائی کا نام ہے،جس سے تعلق رکھنے والے بیشتر ممالک ایشیاء کے مغرب میں واقع ہیں۔مغرب اس سیاسی نظام کا نام ہے جس مہں سیکولرزم،جمہوریت اور انسانی حقوق کو کلیدی حیثیت حاصل ہے یعنی ان ممالک کا نظام حکومت جمہوری ہے اور ان میں آزادی رائے،مساوات انسانی اور حقوق انسانی کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے اور اس کا پروپیگنڈہ بھی کیا جاتا ہے۔ان ممالک میں مذہب ریاست سے کوئی تعلق نہیں رکھتا یعنی چرچ اور اسٹیٹ دو بالکل الگ ادارے ہیں۔

انگریزی زبان کی لغات،روایات اور دیگر ذرائع سے بنیاد پرستی کے بارے میں جو معلومات بہم پہنچتی ہیں ان سب کا لب لباب یہ نکلتا ہے کہ بنیاد پرستی کا نام مغرب میں اس پروٹسٹنٹ امریکی عیسائی تحریک کو دیا گیا جس کا زمانہ انیسویں اور بیسویں صدی کے درمیان کا عرصہ ہے اور جس کے ماننے والے عیسائی فرقے bible کی لفظیت پر یقین رکھتے ہیں۔آگے بڑھنے سے پہلے یہاں یہ وضاحت بھی ضروری محسوس ہوتی ہے کہ بنیاد پرستی کے لئے اردو متبادل کیا استعمال کیا جائے۔اگر لغت کا اعتبار کیا جائے تو اس کا شاید سب سے بہتر ترجمہ اساسیت کیا جاے گا۔جیسا کی بعض لوگوں نے اپنی تحریروں میں بنیاد پرستی کے اردو متبادل کے طور پر اسی لفظ کو استعمال کیا ہے۔

لیکن یہ متبادل عمومی رواج نہ پاسکا اور اس کی جگہ بنیاد پرستی کو زیادہ فروغ حاصل ہوا حالانکہ بنیاد پرستی کا عام مفہوم یہی ہے کہ بعض بنیادی اصولوں کو ماننا اور ان پر عمل پیرا ہونا،اس میں پرستش کا مفہوم شامل نہیں ہے البتہ اردو زبان میں پرستیدن یا پرستش پسندگی کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں اس لئے بنیاد پرستی کے متبادل کے طور پر بنیاد پرستی کا استعمال درست معلوم ہوتا ہے اور چونکہ اسی کو عام رواج بھی حاصل ہو چکا ہے اسی لئے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ بنیاد پرستی ہی کو FUNDAMENTALISM کی متبادل اصطلاح تسلیم کر لیا جائے۔

انگریزی زبان کی سب سے زیادہ معروف و مشہور ڈکشنری OXFORD میں FUNDAMENTALISM پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی گئی ہے

Oxford Advanced Learner's Dictionary of current English, fifth edition, oxford university press, editor, Jonathan crowther

فنڈامنٹلزم:عیسائی فکر میں :یہ عقیدہ کہ ہر چیز جا میں ہے درست ہے اور اسے مذہبی فکر اور عمل کی بنیاد ہونا چاہیے۔ انگریزی زبان کی ایک دوسری ڈکشنری WEBSTER میں FUNDAMENTALISM کی ذیل میں یہ وضاحت ملتی ہے۔

فنڈامنٹلزم:یہ عقیدہ کے بائبل کے تمام بیانات اور لفظ درست ہیں۔ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی ایک تحریک جو اس طرح کے عقائد کو عیسائی مذہب کے لئے ضروری قرار دیتی ہے اور جدیدیت کی مخالفت کرتی ہے۔

ایک اور ڈکشنری میں فنڈامنٹلزم کی تشریح ملتی ہے:

فنڈامنٹلزم:امریکہ میں امریکی پرٹسٹنٹ عیسائیوں کی ایک تحریک جس کا آغاز بائیسویں صدی کے اوائل میں جدیدیت کے رد عمل کے طور پر ہوا،جو بائبل کی inerrancy کو صرف عقیدے اور اخلاق کے مسئلے کے طور پر نہیں لیتی بلکہ اسے تاریخی استناد کا درجہ بھی دیتی ہے اور اسے عیسائی عقیدے کے لئے ضروری قرار دیتی ہے۔

مذکورہ بالا لغوی تشریحات کی روشنی میں FUNDAMENTALISM کا جو لغوی مفہوم سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ بنیاد پرستی نام ہے ایسے عقائد رکھنے کا جن میں بائیبل کے تمام بیانات کو لفظاً لفظاً تسلیم کیا جائے اور ان کی قسم کی کوئی تاویل نہ کی جائے۔ایک امریکی تحریک تھی جو بعسویں صدی عیسویں کے آغاز میں امریکہ کے پروٹسٹنٹ عیسائی فرقوں میں پروان چڑھی اور عیسائی جدیدیت کی سخت مخالف تھیں۔انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں بنیاد پرستی کے تحت ذیل کی وضاحت ملتی ہے:

"امریکی پروٹسٹنٹوں کی تحریک جس نے انیسویں صدی عیسویں کی الفی تحریک کے بطن سے جنم لیااور جو عیسائیت کی لفظی تشریح،عیسی کی دوبارہ واپسی، کنواری مریم کے بطن سے ان کی پیدائیش،بعد صلیب ان کے جی اٹھنے اور ان کی قربانی کی تمام عیسائیوں کے لئے کفارہ سمجھنے جیسے عقائد پر زور دیتی ہے فنڈامنٹلزم بیسویں صدی عیسویں میں امریکہ کی مذہبی اور سیکولر زندگی میں پائے جانے والے جدید رجحانات کے طور پر سامنے آیا۔اس کی نمایندگی بیسویں صدی عیسویں کے اواخر میں چرچ کی مختلف انجمنوں، تعلیمی اداروں،اور مخصوص مفادات والی تنظیموں نے کی۔

روشن خیالی کا اسلامی تصور

اسلامی روشن خیالی کا لغوی مفہوم:

روشن خیالی کا لغوی مفہوم یہ ہے کہ روشن اردو زبان کا لفظ ہے،اس کے لیے عربی میں نور کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے،اس لیے یہاں پر اس کی وضاحت نور کے الفاظ سے کی گئی ہے۔ علامہ ابو الفضل جمال الدین ابن منظور اپنی شہرہ آفاق کتاب لسان العرب میں النُّور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ النور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ سے ہے:الظاھر فی نفسہ المظہر لغیرہ یسمیٰ نورا 15 جو خود ظاہر ہو اور اپنی روشنی سے دوسروں کو آشکار کر دے اسے نور کہا جاتا ہے

اسلامی روشن خیالی کا اصطلاحی مفہوم

نور سے مراد وہ چیز ہے جس کی بدولت اشیاء کا ظہور ہوتا ہے، یعنی جو آپ سے آپ ظاہر اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرے۔ انسان کے ذہن میں نور اور روشنی کا اصل مفہوم یہی ہے۔ کچھ نہ سوجھنے کی کیفیت کا نام انسان نے اندھیرا اور تاریکی اور ظلمت رکھا ہے ،اور اس کے برعکس جب سب کچھ سجھائی دینے لگے اور ہر چیز ظاہر ہو جائے تو آدمی کہتا ہے کہ روشنی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ "نور" کا استعمال اسی بنیادی مفہوم کے لحاظ سے کیا گیا ہے 16 یہی وجہ ہے کہ اسلامی روشن خیالی کے لیے قرآن مجید میں جو الفاظ بار بار استعمال ہوا ہیں وہ متعدد ہیں۔ جن میں سے چند الفاظ درج ذیل ہیں۔ مثلاً نور، آیت، سینہ، ضیاء شرح صدر وغیرہ قرآن حکیم میں لفظ نور ۴۳ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ موضوعات ترتیب سے چند آیات ملاحظہ ہوں:

اللہ نور ہے، اس کے نور کی مثال:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ط اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ لا يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ط نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ط يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ط وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ O17

ترجمہ: اللہ نور ہے آسمانوں اور زمینوں کا اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جس میں چراغ ہو، وہ چراغ (شیشہ کے) فانوس میں ہو وہ فانوس گویا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے (وہ چراغ) برکت والے درخت زیتون (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے جو نہ مشرق کے رخ پر ہے نہ مغرب کے (بلکہ کسی آڑ کے بغیر کھلے میدان میں ہے) قریب ہے کہ اس کا تیل (آپ ہی) روشن ہو جائے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے۔ نور ہے نور پر۔ اللہ جسے چاہے اپنے نور تک پہنچا دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

تشریح:

اس آیت کی تفسیر میں پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں: علامہ ابو الفضل جمال الدین ابن منظور اپنی شہرہ آفاق کتاب لسان العرب میں النُّور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ النور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ سے ہے۔ بلکہ اندھا اللہ تعالیٰ کے نور سے ہی روشنی پاتا ہے اور گمراہ اسی کی ہدایت سے راہ راست پر گامزن ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کو نور کہا جاتا ہے۔ نور کا لفظی معنی بیان کرتے ہوئے علامہ موصوف لکھتے ہیں: الظاھر فی نفسہ المظہر لغیرہ یسمی نوراً (لسان العرب)۔ جو خود ظاہر ہو اور اپنی روشنی سے دوسروں کو آشکار کر دے اسے نور کہا جاتا ہے، (حجتہ الاسلام) امام غزالی رحمتہ اللہؒ اسماء حسنیٰ کی تشریح کرتے ہوئے النور کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ نور اس کو کہتے ہیں جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرنے والا ہو۔ کسی چیز کے ظاہر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ موجود ہو، جو چیز موجود نہیں ہو گی اس کا ظاہر ہونا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے۔ وہ ازل سے

موجود ہے اور ابد تک رہے گی۔ نیز وہ اپنے موجود ہونے میں کسی سبب، کسی علت اور کسی فاعل کا محتاج نہیں۔ اس لیے وہی ہے جو صفت نور و ظہور سے متصف ہونے کا مستحق ہے۔ وہ خود بھی موجود ہے اور اس کے امر کن سے ہر چیز خلعت وجود ارزانی ہوتی ہے اس لیے وہ ہر چیز کے لیے نور ہے یعنی مظہر ہے اس لیے اکثر علماء تفسیر نے اس آیت میں نور کا معنی موجد اور مبدع کیا ہے ،یعنی عدم سے وجود میں لانے والا، اس کے علاوہ آیت میں نور سے مراد مدبر بھی لیا گیا ہے۔ کیونکہ قوم کا وہ رئیس جو ان کے تمام کاموں کے متعلق صحیح سوچ بچار کرتا ہے اور انہیں صحیح راستہ پر چلاتا ہے اسے نور القوم کہا جاتا ہے یعنی سب اسی کی رائے کی روشنی میں اپنے جملہ امور طے کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس اور حضرت انسؓ سے نور کا معنی ہادی بھی منقول ہے۔ آیت کا مطلب ہو گا ھادی اھل السموات والارض فھم بنورہ بھدایتہ الی الحق یھتدون و بھذاہ من حیرۃ الضلالۃ ینجون۔ یعنی آسمان اور زمین والوں کا وہی ہادی ہے پس وہ اسی کے نور ہدایت سے حق کی طرف ہدایت پاتے ہیں اور گمراہی کی حیرانی سے نجات پاتے ہیں۔ قیل فی تفسیر ھادی اھل السموات والارض۔18 آسمانوں اور زمین کا لفظ قرآن مجید میں بالعموم "کائنات" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا دوسرے الفاظ میں آیت کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ ساری کائنات کا نور ہے۔ نور سے مراد وہ چیز ہے جس کی بدولت اشیاء کا ظہور ہوتا ہے، یعنی جو آپ سے آپ ظاہر اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرے۔ انسان کے ذہن میں نور اور روشنی کا اصل مفہوم یہی ہے۔ کچھ نہ سوجھنے کی کیفیت کا نام انسان نے اندھیرا اور تاریکی اور ظلمت رکھا ہے، اور اس کے برعکس جب سب کچھ سجھائی دینے لگے اور ہر چیز ظاہر ہو جائے تو آدمی کہتا ہے کہ روشنی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ "نور" کا استعمال اسی بنیادی مفہوم کے لحاظ سے کیا گیا ہے، نہ اس معنی میں کہ معاذاللہ وہ کوئی شعاع ہے جو ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلتی ہے اور ہماری آنکھ کے پردے پر پڑ کر دماغ کے مرکز بینائی کو متاثر کرتی ہے۔ روشنی کی یہ مخصوص کیفیت اس معنی کی حقیقت میں شامل نہیں ہے جس کے لیے انسانی ذہن نے یہ لفظ اختراع کیا ہے، بلکہ اس پر اس لفظ کا اطلاق ہم ان روشنیوں کے لحاظ سے کرتے ہیں جو اس مادی دنیا کے اندر ہمارے تجربے میں آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے انسانی زبان کے جتنے الفاظ بھی بولے جاتے ہیں وہ اپنے اصل بنیادی مفہوم کے اعتبار سے بولے جاتے ہیں نہ کہ ان کے مادی مدلولات کے اعتبار سے۔ مثلاً ہم اس کے لیے دیکھنے کا لفظ بولتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ انسان اور حیوان کی طرح آنکھ نامی ایک عضو کے ذریعہ سے دیکھتا ہے۔ ہم اس کے لیے سننے کا لفظ بولتے ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ ہماری طرح کانوں کے ذریعہ سے سنتا ہے۔ اس کے لیے ہم پکڑ اور گرفت کے الفاظ بولتے ہیں۔ یہ اس معنی میں نہیں ہے کہ وہ ہاتھ نام کے ایک آلہ سے پکڑتا ہے۔ یہ سب الفاظ اس کے لیے ہمیشہ ایک اطلاقی شان میں بولے جاتے ہیں اور صرف ایک کم عقل آدمی ہی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ سماعت اور بینائی اور گرفت کی کوئی دوسری صورت اس محدود اور مخصوص قسم کی سماعت و بینائی اور گرفت کے سوا ہونی غیر ممکن ہے جو ہمارے تجربے میں آتی ہے۔ اسی طرح "نور" کے متعلق بھی یہ خیال کرنا محض ایک تنگ خیالی ہے کہ اس کے معنی

کا مصداق صرف اس شعاع ہی کی صورت میں پایا جاسکتا ہے جو کسی چمکنے والے جرم سے نکل کر آنکھ کے پردے پر منعکس ہو ۔اللہ تعالیٰ اس کا مصداق اس محدود معنی نہیں ہے بلکہ مطلق معنی میں ہے ،یعنی اس کائنات میں وہی ایک اصل "سبب ظہور " ہے، باقی یہاں تاریکی اور ظلمت کے سواء کچھ نہیں ہے۔ دوسری روشنی دینے والی چیزیں بھی اسی کی بخشی ہوئی روشنی سے روشن اور روشن گر ہیں، ورنہ ان کے پاس اپنا کچھ نہیں جس سے وہ یہ کرشمہ دکھا سکیں۔ نور کا لفظ علم کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اور اس کے برعکس جہل کو تاریکی اور ظلمت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس معنی میں بھی کائنات کا نور ہے کہ یہاں حقائق کا علم اور راہ راست کا علم اگر مل سکتا ہے تو اسی سے مل سکتا ہے۔ اس سے فیض حاصل کیے بغیر جہالت کی تاریکی اور نتیجۃ ضلالت و گمراہی کے سوا اور کچھ ممکن نہیں ہے۔19

اسلامی روشن خیالی کا مقصد

لفظ اسلام اپنے مشتقات سمیت قرآن حکیم میں ۱۴۷ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ اور لفظ عبد اپنے مشتقات سمیت قرآن حکیم میں ۲۷۴ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

اسلام کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

اسلام کا مطلب ہے اللہ کے سامنے سر جھکا دینا اور اسکے دیئے ہوئے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا۔ لہٰذا اسلام اپنے مفہوم کے لحاظ سے ہی مغربی روشن خیالی و اعتدال پسندی کی ضد ہے، کیونکہ اسلام تو فقط مان لینے کا نام ہے اور روشن خیالی عقل کی بنیاد پر ذاتی رائے پیش کرنے کا نام ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ فقط میری بات مانو اور روشن خیالی جو عقل میں جائے فقط اسی کو ماننے کا نام ہے۔ لہٰذا اسلام اور روشن خیالی اکٹھے چل ہی نہیں سکتے۔ جو لوگ اسلام میں روشن خیالی کی پیوند کاری کرنا چاہتے ہیں وہ درحقیقت حق اور باطل کو یکجا کرنا چاہتے ہیں جو اسلام کے دائرے میں رہتے ہوئے ممنوع کام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولا تلبسو الحق بالباطل ترجمہ: "حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ۔"20 اسی طرح بندگی بھی روشن خیالی کی ضد ہے۔ ان دونوں کا اتفاق ممکن ہی نہیں اگر ان دونوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی جائے تو اجتماع ضدین لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔ اسلام کا تصور بندگی کیا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ بندگی کے لیے لفظ عبد مستعمل ہے اور عبد کا معنی مفردات۔ امام راغب اصفہانی میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: العبودیہ اظہار التذلل والعبادۃ ابلغ منہا لانہا غایۃ التذلل ولا یستحقہا الا من لہ غایۃ الافضال وہو اللہ تعالیٰ ولذا قال "الا تعبدوا الا ایاہ" والعبادۃ ضربان، عبادۃ بالتسخیر وہو کما ذکرناہ فی السجود و عبادۃ بالاختیار وہی لذوی النطق وہی المامور بہا فی نحو قولہ "واعبدو ربکم، واعبدو اللہ" 21 ترجمہ: عبودیت، عاجزی کے اظہار کو کہتے ہیں اور عبادت اس سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ وہ (عبادت) انتہائی عاجزی کا نام ہے اور اس کا صرف وہی مستحق ہے جو انتہائی افضل ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور اسی لیے اس نے

فرمایا" الا تعبدوا الا ایاہ" یعنی صرف اسی کی عبادت کرو اور عبادت کی دو قسمیں ہیں: (۱) عبادت بالتسخیر اور یہ وہی ہے جس کو ہم نے "سجود" میں ذکر کیا۔ (۲) عبادۃ بالاختیار اور یہ ذوی العقول کے لیے ہے اور اسی عبادت کا واعبدوا ربکم۔ واعبدوا اللہ وغیرہ آیتوں میں حکم دیا گیا ہے 22 یعنی تم اپنے شرک اور اپنی خود مختارانہ تحلیل و تحریم کے حق میں ہماری مشیت کو کیسے سند جواز بنا سکتے ہو جبکہ ہم نے ہر امت میں اپنے رسول بھیجے اور ان کے ذریعہ سے لوگوں کو صاف صاف بتا دیا کہ تمہارا کام صرف ہماری بندگی کرنا ہے، طاغوت کی بندگی کے لیے تم پیدا نہیں کیے گئے ہو۔ اس طرح جبکہ ہم پہلے ہی معقول ذرائع سے تم کو بتا چکے ہیں کہ تمہاری ان گمراہیوں کو ہماری رضا حاصل نہیں ہے، تو اس کے بعد ہماری مشیت کی آڑ لے کر تمہارا اپنی گمراہیوں کو جائز ٹھہرانا صاف طور پر یہ معنی رکھتا ہے کہ تم چاہتے تھے کہ ہم سمجھانے والے رسول بھیجنے کے بجائے ایسے رسول بھیجتے جو ہاتھ پکڑ کر تم کو غلط راستوں سے کھینچ لیتے اور زبردستی تمہیں راست رو بناتے۔ مشیت اور رضا کے فرق کو سمجھنے کے لیے سورہ جاثیہ، سورہ زمر کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ 23 اس آیت کی تفسیر میں پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں: پہلے میاں بیوی کے حقوق کا ذکر ہوا آپس میں حسن سلوک اور حسن معاشرت کی تاکیدیں ہوئیں۔ اصلاح حال کی تدبیریں بتائی گئیں۔ اب مخاطب کو یہ یاد دلایا جا رہا ہے کہ تیرا تعلق صرف گھر اور والی سے ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ تیرا رشتہ اپنے خالق سے بھی ہے اور اس کی مخلوق سے بھی۔ ان کے حقوق کی ادائگی بھی تم پر لازم ہے۔ اپنے خالق کا حق تو تجھ پر یہ ہے کہ اس کی یاد، اس کے ذکر اور اس کی عبادت میں سرشار رہے۔ اور کسی کو کسی حیثیت سے بھی اس کا شریک نہ بنائے۔ نہ ذات میں نہ صفات میں اور اس کی مخلوق کا تجھ پر یہ حق ہے کہ سب کے ساتھ احسان اور مروت کا برتاؤ کرے۔ کسی کو ضرر اور دکھ پہنچانے کا تو خیال تک بھی تیرے دل میں نہ گزرے۔ ترتیب بیان، مراتب کی ترتیب پر دلالت کرتی ہے کاش ہم تعلیمات قرآنی پر عمل کرنے کی سعی کریں۔ 24

اعتدال پسندی کا مفہوم

اعتدال کا مطلب ہے: جس میں نہ کمی ہو نہ زیادتی، درمیانی درجہ، میانہ رو یا اعتدال پسند کا مطلب ہے میانہ روی پسند کرنے والا اعتدال سے مراد یہ ہے کہ انسانی زندگی کے جتنے تقاضے ہیں ان سب کے درمیان اس طرح ہم آہنگی رکھی جائے کہ کوئی تقاضا مجروح نہ ہونے پائے۔ * اعتدال پسندی وہی ہے جسے اسلامی نظریے کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے انسانی معاشرے کے لیے لازم قرار دیا۔

دینِ اسلام ایک کامل اور ہمہ گیر دین ہے اور اس کی جامع تعلیمات ہر دور کے لیے راہ ہدایت اور مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جن میں کسی قسم کا نقص یا عیب نہیں ہے۔ اسلام کی راہ، اعتدال کی راہ ہے۔ ہر چیز میں اعتدال، تصور اور عقائد میں، عبادات اور زہد میں، اخلاق اور رویئے میں، معاملات اور قانون سازی میں۔ اسی راہ کا نام اللہ نے صراط مستقیم رکھا ہے اور اسی راہ پر چلنے کا حکم دیا ہے۔ اسلام کی عمومی خصوصیات، میانہ روی اور اعتدال پسندی ایک اہم ترین خصوصیت ہے، نیز اسلام کی بنیادی نشانیوں

میں یہ وہ اہم نشان راہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے دوسری امتوں کے مقابلے میں امت مسلمہ کا وصف قرار دیا ہے۔ تعلیماتِ نبوی سے بھی ہمیں میانہ روی کا سبق ملتا ہے۔

سلام اعتدال پسند دین

قرآن نے امت مسلمہ کا نام "امت وسط" یعنی معتدل مزاج انسانی جماعت رکھا ہے اور دینی تصورات میں ہر قسم کے زور زبردستی اور دباؤ کو ممنوع اور آزادئ اظہار رائے کا حق دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "لا اکراہ فی الدین" اس کی ایک واضح قرآنی رائے ہے۔ پھر اس سے زیادہ اعتدال پسندی کا کیا تصور ہو سکتا ہے کہ اسلامی ریاست اور معاشرے میں اقلیت کا کوئی تصور بلحاظ اقلیت موجود نہیں ہے۔ نہ اقلیت کی اصطلاح قرآن و سنت میں کہیں استعمال ہوئی ہے۔ عہد رسالت سے لے کر ساری اسلامی تاریخ کے ادوار میں اسلام، اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں کے لیے اہل ذمہ کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ یعنی وہ لوگ جن کے تحفظ کا ذمہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے لیا ہے۔ ان کی جان، مال، عزت و آبرو، عقیدے، عبادت گاہوں، مذہبی پیشواؤں سب کو مکمل تحفظ دیا جائے گا اور معاشرے میں ان کے ساتھ سماجی انصاف کا برتاؤ کیا جائے گا۔ جب اسلام کی یہ تعلیمات غیر مسلموں کے ساتھ اسلامی ریاست اسلامی معاشرے اور مسلمانوں کے برتاؤ سے متعلق ہیں تو مزید تفصیلات میں جائے بغیر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان سے برتاؤ کی اسلامی تعلیمات کیا ہوں گی؟ اقوام متحدہ کے جس انسانی حقوق کے چارٹر کا آج بڑا شہرہ ہے اور جس کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ نہیں ہے، اس کی ۳۲ دفعات بھی اعتدال پسندی کے اس نمونے کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہیں جو اسلام نے انسانوں کو عطا کیا ہے۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو تاریخ کی تاریکیوں سے نکال کے روشنی کی جو شاہراہ عطا کی اور عدم توازن کی جس زندگی کو اعتدال کا معیار کمال بخشا، اس پر ایک نظر ڈالیں سب سے پہلے پسے ہوئے طبقات کو معاشرتی اونچ نیچ سے نجات دلائی گئی اور وحدت نسل انسانی کا وہ عظیم الشان نصاب عطا کیا گیا کہ جس نے حبشہ کے بلال، روم کے صہیب اور دیگر ممالک اور نسلوں کے لوگوں کو ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور علی و عثمان رضی اللہ عنہم کا بنا دیا اور محمود و ایاز کو نماز کی صفوں سے لے کر معاشرتی اقدار تک "ایک" بنا کے دنیا میں پہلی بار حقیقی میرٹ پر ترقی کا راستہ دکھایا۔

اسلامی نظریے کے مطابق رسول ﷺ نے افراد کی جس انداز میں تربیت کی اور جس طرح ایک کشادہ ذہن وسعت قلبی رکھنے والا ماحول اور رواداری کا محافظ معاشرہ تشکیل دیا۔ دنیا اپنی ساری خود ساختہ اعتدال پسندی کے باوجود اس ماحول جیسا ماحول اور اعتدال پسندیدہ رویہ انسانیت کو فراہم کرنے سے کل بھی عاجز تھی اور آج بھی عاجز ہے۔

اعتدال پسندی کا مفہوم قرآن کی روشنی میں

اسلام قرآنی ہدایت کے مطابق یہود و نصاریٰ کو یہ کہہ کر دعوت فکر و عمل بھی دیتا ہے کہ:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ فَإِن تَوَلَّوْاْ فَقُولُواْ اشْهَدُواْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ25o

آؤ اے اہل کتاب! ہم اور تم اس ایک کلمے پر متحد ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔ یہ کہ اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہیں بنائیں گے۔

تشریح

اس آیت کی اس آیت کی تفسیر میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں: یہاں سے ایک تیسری تقریر شروع ہوتی ہے جس کے مضمون پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جنگ بدر اور جنگ احد کے درمیانی دور کی ہے لیکن ان تینوں تقریروں کے درمیان مطالب کی ایسی قریبی مناسبت پائی جاتی ہے کہ شروع سورت سے لیکر یہاں تک کسی جگہ ربط کلام ٹوٹتا نظر نہیں آتا۔ اسی بنا پر بعض مفسرین کو شبہ ہوا کہ یہ بعد کی آیات بھی وفد نجران والی تقریر ہی کے سلسلہ کی ہیں۔ مگر یہاں سے جو تقریر شروع ہو رہی ہے اس کا انداز صاف بتا رہا ہے کہ اس کے مخاطب یہودی ہیں۔ یعنی ایک ایسے عقیدے پر ہم سے اکتفا کرلو جس پر ہم بھی ایمان لائے ہیں اور جس کے صحیح ہونے سے تم بھی انکار نہیں کرسکتے۔ تمھارے اپنے انبیاء سے یہی عقیدہ منقول ہے۔ تمھاری اپنی کتب مقدسہ میں اس کی تعلیم موجود ہے۔ یعنی تمھاری یہ یہودیت اور یہ نصرانیت بہر حال تورات اور انجیل کے نزول کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کے نزول سے بہت پہلے گزر چکے تھے۔

اب ایک معمولی عقل کا آدمی بھی یہ بات بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جس مذہب پر تھے وہ بہر حال یہودیت یا نصرانیت تو نہ تھا۔ پھر اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام راہ راست پر تھے اور نجات یافتہ تھے تو لا محالہ اس سے لازم آتا ہے کہ آدمی کا راہ راست پر ہونا اور نجات پانا یہودیت ونصرانیت کی پیروی پر موقوف نہیں ہے۔26 یہ نرم دل ہونا اور خوش گفتار ہونا جزو ایمان ہے۔ ہر مسلمان کو ہدایت دی گئی ہے کہ اسے زندگی میں یہ دونوں عادتیں اپنانی ہوں گی۔ اگر وہ ان دو بنیادی باتوں سے عاری ہے، تو گویا وہ کتاب اللہ کی مبادیات سے غافل ہے اور اگر بنیاد کمزور ہے تو اس پر کوئی تعمیر نہیں ہو سکتی، نہ ہی ایمان کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ مسلمان کی پہچان یہ ہے کہ وہ متین اور بردبار ہے۔ وہ نہ صرف ہاتھوں سے یا عمل سے کسی کو اذیت یا تکلیف نہیں پہنچاتا، بلکہ اس کی زبان میں شیرینی اور حلاوت ہے، جس سے اس کے آس پاس کے لوگ خرم و شاداں رہتے ہیں۔ یہ بات انتہائی اعلےٰ درجے کی عالی ظرفی ہے، جو دین اسلام کی اساس ہے۔ Tolerance کا درس دیا جاتا ہے۔

اجتماعی معاملات میں اعتدال پسندی کا حکم

اجتماعی امور میں قرآن کریم نے امت کے لیے واضح اور روشن راستوں کا تعین کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے :

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبَآئِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُوْنَ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُوْرَى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ[27] o

اور جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے رہتے ہیں اور جب انہیں غصہ آتا ہے، معاف کر دیتے ہیں اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا حکم مانا اور نماز کی پابندی کی اور ان کے کام مشورے سے طے پاتے ہیں اور جو ہم نے انہیں دے رکھا ہے، اس سے خرچ کرتے ہیں۔

اسلامی احکام کے ماخذ اوّل قرآن کریم کی ایک ایک آیت اور سیرت سراپا رحمت ﷺ کا ایک ایک گوشہ افراط و تفریط سے مبراء اعتدال اور خوبصورتی کا مرقع، تہذیب و شائستگی کا گلدستہ اور ہر قسم کے پیچ و خم سے منزہ میانہ روی کی طرف ایک اٹل رہنما اور ابدی صداقتوں کے ترجمان کی حیثیت رکھتا ہے۔ نماز جو کہ دین کا ستون ہے اور احکام اسلام میں وہ پہلا حکم ہے جو اسلام لانے کے بعد ایک مسلمان کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس میں بھی اللہ رب العزت نے اعتدال کا درس دیا۔ فرمایا: ترجمہ: اپنی نماز کو نہ تو بالکل پکار کر پڑھئے اور نہ بالکل ہی آہستہ پڑھئیے اور دونوں کے درمیان ایک متوسط طریقہ اختیار کر لیجئے۔[28] اندازہ لگائیں کہ جو دین آواز کی پستی اور بلندی میں بھی افراط و تفریط کی اجازت نہیں دیتا، اس دین کے نام لیوا آخر کیسے انتہا پسندی کے خوگر ہو سکتے ہیں۔ کیا اقوام و مذاہب کی تاریخوں میں اعتدال کی ایسی نظیریں تلاش کرنے سے بھی مل سکتی ہیں؟

اسلام میں معاشی اور اقتصادی اعتدال پسندی

اسلام کی اقتصادی اور معاشی تعلیمات کا جائزہ لیں تو وہاں بھی ہر ہر معاملے میں اعتدال سے کام لینے کی طرف راغب کیا جا رہا ہے۔ فرمایا:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً إِلَى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْماً مَّحْسُوْراً إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيْراً بَصِيْراً[29] o

ترجمہ: مال خرچ کرنے میں نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھ رکھ کہ سرے سے کچھ خرچ کرے ہی نہیں اور نہ پورے کا پور اکھول دے کہ بعد میں اپنے آپ کو حسرت کے ساتھ کوستا اور ملامت کرتا رہے۔"

معیشت کے میدان میں بھی اعتدال اور میانہ روی کا سبق سکھایا جا رہا ہے کہ خرچ کرنے، نہ کرنے میں بھی افراط و تفریط سے ہٹ کر بالکل درمیان والا راستہ اختیار کرنا چاہئے کہ بعد میں ندامت اور افسوس نہ ہو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حدیث کے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْاِعْتِدَالُ فِی النَّفَقَۃِ نِصْفُ الْمَعِیْشَۃِ ترجمہ: خرچ میں میانہ روی آدھی معیشت ہے۔[30] اب یہاں دیکھیں کہ ایک اچھی اور کامیاب معیشت کے لیے اعتدال اور میانہ روی کو اہم ترین اصول قرار دیا جارہا ہے کہ ایک کامیاب معیشت کا دارومدار اسی بات پر ہے کہ خرچ میں اعتدال سے کام لیا جائے۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "وہ شخص دیوالیہ نہ ہوا جس نے آمد و خرچ میں اعتدال برتا۔"[31] قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "ہم نے مسلمانوں کو اعتدال پسند امت بنایا ہے۔" قرآن کریم زندگی کے ہر معاملے میں میانہ روی اور اعتدال پسندی کا درس دیتا ہے۔ جیسے نماز کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "نماز میں تلاوت نہ تو بہت زیادہ اونچی آواز میں کی جائے اور نہ ہی بہت دھیمی آواز میں کی جائے۔" اسی طرح ایک جگہ حکم ہے کہ "نہ تو تم ہاتھ اس قدر مضبوطی سے بند کرلو کہ جائز بھی خرچ نہ ہو اور نہ ہی ہاتھ اس قدر کھول دو کہ حد سے تجاوز کر جاؤ۔" اسلام ہمیں میانہ روی سے چلنے کی تلقین کرتا ہے۔ اسلام ہر جگہ اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن کی روشنی میں انتہا پسند وہ شخص ہے جو اللہ کے احکام سے تجاوز کرتا ہے اور اللہ کی قائم کردہ حدود کو توڑتا ہے۔ اسلام اعتدال پسند مذہب ہے اور زندگی کے ہر معاملے میں اعتدال کی تعلیم دیتا ہے۔

غیر مسلموں سے دوستی میں اسلامی اعتدال پسندی کی حدود و قیود

قرآن حکیم میں اعتدال پسندی کو بے لگام نہیں چھوڑا گیا بلکہ اس کے لیے واضح حدود متعین فرمادی گئی ہیں۔ مگر اعتدال پسندی حدود کو پامال کر کے غیر مسلموں کے ساتھ نہ صرف یہ کہ کھلم کھلا ربط بڑھانے کی دعوت دیتی ہے بلکہ ان کے افکار و اعمال کو حجت تامہ خیال کرتی ہے۔ اسلام ایسی اعتدال پسندی کا انکار کرتا ہے۔ قرآن حکیم کی چند آیات ملاحظہ ہوں لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ط[32]

ترجمہ: "تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔"

یعنی مومنین سے یہ ہو ہی نہیں سکتا اور ان کی یہ شان ہی نہیں اور ایمان اس کو گوارا ہی نہیں کرتا کہ خدا اور رسول ﷺ کے دشمن سے دوستی کرے۔ اسی آیت سے معلوم ہوا کہ بد دینوں اور بدمذہبوں اور خدا اور سول ﷺ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے والوں سے مودّت و اختلاط جائز نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ O ط[33]

ترجمہ: "اے ایمان والو! اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ سمجھو اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو وہی ظالم ہیں۔"

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَالْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ[34]

ترجمہ: "ہر گز تم سے یہود و نصاریٰ راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے دین کی پیروی نہ کرو تم فرما دو اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے اور (اے سننے والے کسے باشد) اگر تو ان کی خواہشوں کا پیرو ہوا بعد اس کے کہ تجھے علم آچکا تو اللہ سے تیرا کوئی بچانے والا نہ ہو گا اور نہ مددگار۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ھ ط[35]

ترجمہ: "اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہی میں سے ہے، بے شک اللہ بے انصافوں کو راہ نہیں دیتا۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ط[36]

ترجمہ: "اے ایمان والو! جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنالیا ہے، وہ جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور کافر، ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر ایمان رکھتے ہو۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ط وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِىْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ط قَدْ بَيَّنَّا ا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ O[37]

ترجمہ: "اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے۔ ان کی آرزو ہے جتنی ایذا تمہیں پہنچے۔ بیر ان کی باتوں سے جھلک اُٹھا اور وہ جو سینے میں چھپائے ہیں اور بڑا ہے ہم نے نشانیاں تمہیں کھول کر سنا دیں اگر تمہیں عقل ہو۔"

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِى الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ O ط[38]

ترجمہ: "ان میں تم بہت کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں۔ کیا ہی بُری چیز اپنے لیے خود آگے بھیجی یہ کہ اللہ کا ان پر غضب ہوا اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔"

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ○ط [39]

ترجمہ: "اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ اور ان نبی پر اور اس پر جو ان کی طرف اترا تو کافروں سے دوستی نہ کرتے مگر ان میں تو بہتیرے فاسق ہیں۔"

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ج [40]

ترجمہ: ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا○ط [41]

ترجمہ: "اے ایمان والو! کافروں کو دوست نہ بناؤ مسلمانوں کے سوا کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کے لیے صریح حجت کر لو۔"

اسوۂ حسنہ ﷺ کی روشنی میں اعتدال پسندی

اسلام جہاں نجی و انفرادی زندگی میں اعتدال کا حکم دیتا ہے وہیں اجتماعی زندگی میں ایسے معاشرے کا خواہشمند بھی ہے، جہاں حقوق الناس اور حقوق اللہ کا توازن قائم ہو۔ اعتدال کا مادہ عدل سے ہے اور عدل ہی اسلام کے ہر حکم کی بنیاد اور تقاضا ہے۔ اسلام اپنے پیغام کی ترویج و تبلیغ کا متمنی ضرور ہے، مگر اس کے لیے جبر و اکراہ اور زور زبردستی کا قائل نہیں۔ اسلام کی تعمیر نو کرنے والے اس حقیقت کو فراموش نہ کریں کہ اسلام تو اپنے روز اوّل ہی سے اپنے عقیدے، فلسفے اور نظریے کی روشنی میں معتدل نظام ہے۔

آیئے! ہم آپ کے سامنے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں جس سے اعتدال پسندی خوب کھل کر سامنے آجائے گی۔

جب رسول خدا ﷺ نے مدینہ طیبہ کو ہجرت فرمائی جہاں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد سکونت پذیر تھی تو آپ ﷺ نے وہاں اسلامی حکومت کی سرزمین کے سلسلہ میں جو پہلا کام کیا وہ یہ تھا کہ آپ نے مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ایک معاہدہ طے کیا جس کی رو سے اسلامی حکومت کیلئے یہ ضروری قرار پایا کہ یہودیوں کے عقائد کا احترام کیا جائے اور ان کو ہر قسم کی ایذا سے بچایا جائے گا اور یہ کہ مدینہ پر حملہ آور کے مقابلہ میں وہ مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ اس معاہدہ کے ذریعہ حضور ﷺ نے مذہبی رواداری کے اصول و مبادی کو اسلامی تہذیب کے ضمیر میں اس کے پہلے دن ہی سے داخل کر دیا۔

بعض اہل کتاب حضور ﷺ کے پڑوسی بھی تھے۔ آپ ہمیشہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہتے تھے۔ ان کو ہدیئے بھیجتے۔ ان کے ہدیئے قبول فرماتے۔ حضور ﷺ کے اس طرز عمل سے ایک یہودی عورت کی "یہودیت" نے اپنی عداوت کو بروئے کار لانا چاہا۔ چنانچہ اس نے حضور ﷺ کو ایک دن بکری کی ایک بھنی ہوئی ران زہر آلود کر کے بھیجی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ

حضور ﷺ اس کے یہاں سے آئے ہوئے ہدیئے قبول فرمالیا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ایک اچھے پڑوسی جیسے تعلقات رکھتے ہیں۔ جب حبشہ کے عیسائی مدینہ طیبہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو مسجد نبوی ﷺ میں ٹھہرایا اور ان کی مہمان نوازی اور خدمت خود اپنے ذمہ لی اور اس دن جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا اس میں سے یہ فقرہ قابلِ غور ہے:

یہ لوگ ہمارے ساتھیوں کے لیے معزز حیثیت رکھتے تھے اس لیے میں ﷺ نے پسند کیا کہ میں ﷺ بذاتِ خود ان کی تعظیم و تکریم کروں۔

ایک دفعہ نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا۔ اس کو بھی آپ نے مسجد نبوی میں اتارا اور ان کو اجازت دی کہ وہ اپنی نماز اپنے طریقہ پر مسجد نبوی ہی میں ادا کریں۔ چنانچہ وہ لوگ مسجد نبوی ﷺ کی ایک جانب میں اپنی نماز پڑھتے اور رسول خدا ﷺ صحابہ کے ساتھ دوسری جانب نماز پڑھتے۔ جب ان لوگوں نے اپنے دین کے حق میں حضور ﷺ سے بحث کی۔ تو آپ ﷺ نے نہایت توجہ سے ان کی باتیں سنیں اور بڑی نرمی، احترام اور حسن اخلاق سے بحث کا جواب دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مقوقس کا ہدیہ قبول فرمایا اور اس کی بھیجی ہوئی لونڈی کو بھی قبول فرمایا اور اس سے زناشوئی کے تعلقات قائم ہوئے اور اس کے بطن سے آپ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے۔ جو چند مہینے زندہ رہے اور آپ کی نصیحتوں میں سے ایک یہ بھی ہے "قبطیوں کے خیر خواہ رہو کیونکہ ان میں تمہارے رشتے ہیں۔[42]

رسول کریم ﷺ نے مکی زندگی کے ۱۳ سال صحابہ کو صبر و تحمل کی تربیت میں گزار دیے اور جب مدینہ میں جہاد کا حکم آیا تو وہاں بھی یہ مطالبہ تھا کہ دشمنی میں عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ جہاد اعلائے کلمۃ الحق کے لیے ہے انتقام کے لیے نہیں۔ توحید کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ دوسروں کے خداؤں کو برا بھلا کہو۔ یہود و نصاریٰ اہل کتاب ہیں اور قابل احترام۔ آپ نے انسان کی تکریم کا سبق دیا۔ کسی کو رنگ، نسل، زبان، مال اور دولت یا مذہب کی بنیاد پر دوسرے پر فضیلت نہیں، وجہ فضیلت صرف تقویٰ ہے، نیک اعمال ہیں اور عدل ہے کیونکہ یہی تقویٰ کے راستے ہیں۔ سیرت طیبہ نے انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی راہ دکھائی۔ نور یعنی روشنی اللہ کا نام بھی ہے نبی کی صفت بھی ہے اور صحف کی بھی۔ سیرت طیبہ کے ذریعے دین کی تکمیل بھی ہوئی اور نبوت کا سلسہ بھی اپنے اختتام کو پہنچا۔ اللہ نے اپنے آخری نبی اور آخری کتاب کے ساتھ اپنی محبت کو تمام کر دیا۔

اسلام دین فطرت ہے، جس میں انسانی مزاج کی پوری رعایت رکھی گئی ہے۔ اعتدال پسندی سب کے لیے ضروری ہے اور ہر کام میں ضروری ہے۔ صرف دنیوی معاملات اور معاشی مسائل ہی میں میانہ روی مفید نہیں ہے۔ بلکہ دینی معاملات میں بھی اعتدال مستحسن ہے۔

اسلام کی تاریخ میں جب بھی کسی شخص نے انتہا پسندی مسلط کرنے کی کوشش کی تو جمہور مسلمانوں نے اس کو رد کر دیا اور امت ہمیشہ اعتدال پر مبنی طریقوں پر گامزن رہی۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام کے احکام پر سختی کے ساتھ وابستگی اور اس کے ساتھ دل وجان سے وفاداری بشرط استواری بھی اصل ایمان ہے اور اس کے بغیر اعتدال پسندی محض وقت کا زیاں ہے۔

حیرت ہے کہ جب کسی بھی طرح کے غیر اخلاقی یا غیر انسانی رویے سامنے آتے ہیں اور ان کی مخالفت کی جاتی ہے یا جب مسلمانوں کے مذہب یا اقدار کے خلاف کوئی بات کی جائے اور مسلمان اس کا دفاع کریں تو اس کو فوراً انتہا پسندی قرار دے دیا جاتا ہے۔ اپنی روایت اور اقدار کا تحفظ انتہا پسندی نہیں ہے۔[43]

خلافتِ راشدہ کے دَور میں

پھر رسول اللہ ﷺ کے خلفاء نے آپ کے بعد انہی خطوط پر حکمرانی کی اور حضور ﷺ کی اس بلند پایہ انسانیت دوستی اور مذہبی رواداری کی پالیسی کو قائم رکھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب حضرت عمر ص بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں تو وہ وہاں کے عیسائیوں کی پیش کردہ اس شرط کو قبول فرماتے ہیں کہ وہاں کوئی یہودی نہ رہے گا۔ وہ بیت المقدس کے بڑے گرجے میں ہوتے ہیں کہ نماز عصر کا وقت ہو جاتا ہے لیکن وہ گرجے کے اندر نماز محض اس لیے نہیں پڑھتے کہ کہیں اس گرجے میں میرا نماز پڑھنا، مسلمانوں کے اس مطالبہ کا ذریعہ نہ بن جائے کہ یہ مسلمانوں کی مسجد ہو گئی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے قبضہ میں رہنا چاہیے۔ مصر کی ایک عورت شکایت لاتی ہے کہ عمرو بن العاص ص نے اس کا گھر اس کی مرضی کے خلاف مسجد کے اندر شامل کر دیا ہے۔ آپؓ نے عمرو بن العاص سے جواب طلب کیا تو انہوں نے بتایا کہ مسلمان زیادہ ہو گئے تھے اور مسجد میں نہ سما سکتے تھے۔ مسجد سے ملحق اس عورت کا گھر تھا۔ اس کو مکان کی قیمت پیش کی گئی اور قیمت بھی مکان کی حیثیت سے کہیں زیادہ دی جا رہی تھی۔ لیکن اس نے لینے سے بھی انکار کر دیا۔ لہٰذا مجبوراً ہمیں اس کا گھر بزور ڈھانا پڑا اور وہ مسجد میں شامل کر دیا گیا اور اس کی قیمت بیت المال کے اندر جمع کر دی گئی کہ وہ جب چاہے نکال لے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمر بن العاصص کا عذر بالکل معقول تھا اور ہمارے موجودہ قوانین بھی اس کی اجازت دیتے ہیں لیکن حضرت عمر ص نے ان کے اس عذر کو قبول نہ کیا اور حکم دیا کہ مسجد کی وہ جدید عمارت جو اس عورت کے مکان والی زمین پر بنی ہے، ڈھا دی جائے اور اس کا گھر اسی طرح بنا کر دے دیا جائے جس طرح پہلے تھا۔

یہ ہے رواداری کا وہ رنگ جو ہر اس معاشرے پر طاری رہا ہے، جس پر ہماری تہذیب کے یہ اصول سایہ فگن رہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبی رواداری کے ایسے مظاہر کی مختلف شہادتیں ہمارے سامنے گزرتی ہیں جن کی کوئی مثال تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی ہے۔ یہاں تک کہ دورِ حاضرہ کی کسی تہذیب میں بھی نظر نہیں آتی۔[44]

تاریخ عالم میں رواداری

اگر تاریخ کے اوراق کا بغور مطالعہ کیا جائے تو رواداری کی ایسی بے شمار مثالیں سامنے آتی ہیں جن سے انسان اندازہ لگا سکتا ہے کہ رواداری زندگی کے بہت سے معاملات میں بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ایک مرتبہ امام شافعیؒ امام اعظم ابو حنیفہ کے مزار پر تشریف لے گئے تو آپ نے رفع یدین نہ فرمایا۔ آپ کے شاگردوں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا اس صاحب مزار کے ادب اور علم کی وجہ سے۔ یہ تھے ہمارے اسلاف جنہوں نے اپنے نظریے تک کو ترک کر دیا صرف رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔

اسلامی بنیاد پرستی کا مفہوم

بنیاد پرستی کا لغوی مفہوم بنیاد پرستی نام ہے ایسے عقائد رکھنے کا جن میں بائیبل کے تمام بیانات کو لفظاً لفظاً تسلیم کیا جائے اور ان کی قسم کی کوئی تاویل نہ کی جائے۔

بنیاد پرستی کا اصطلاحی مفہوم

اسلام کے بنیادی عقائد کی مضبوطی سے پاسداری کرنا[45] بنیاد پرستی کی اصطلاح بنیادی طور پر ایک عیسائی اصطلاح ہے جس کا استعمال انیسویں صدی عیسویں کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں ہوا۔ مذکورہ اصلاح کا اطلاق امریکہ میں بعض ان پرو ٹیسٹنٹ عیسائی امریکی گروپوں کے لئے ہوا تھا یا ہو رہا ہے جو انجیل کی لفظیت پر شدت کے ساتھ جمے رہنے کے قائل تھے ۔ آگے چل کر متعدد انگریزی لغات اور عیسائی روایات کی مدد سے بنیاد پرستی کی اصطلاح سے متعلق کئی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو گا اور اس کے استعمال کا صحیح پس منظر سامنے آسکے گا۔ البتہ اس سے قبل مغرب کے بارے میں بھی کچھ جان لینا ضروری ہے کہ کیونکہ ہمارا موضوع "مغرب اور اسلامی بنیاد پرستی" ہے ظاہر ہے کہ مغرب عام معنوں میں یہاں استعمال نہیں ہوا یہ نہ تو کوئی سمت ہے اور نہ محدود جغرافیائی خطہ بلکہ موضوع کے تحت مغرب کو بھی نطور اصطلاح کے استعمال کیا گیا ہے۔ لہذا پہلے بہت ہی مختصر طور پر مغربی اصطلاح کا تعارف کرایا جارہا ہے۔

اسلامی بنیاد پرستی کا تاریخی پس منظر

حال ہی میں بیسویں صدی عیسوی نے اپنا صد سالہ سفر مکمل کیا ہے۔ اور اب دنیا نے ایک نئی صدی میں بلکہ نئے الفیئے تیسرے الفیئے میں بھی شامل ہو گئی۔ بیسویں صدی عیسوی اپنے دامن میں بہت کچھ سمیٹ کر ہم سے رخصت ہوئی ہے اور آئندہ صدی کے مؤرخین کے لیے دلچسپی اور فکر و تحقیق کے درجنوں موضوعات چھوڑ گئی ہے۔ بیسویں صدی عیسویں دامن پر دو عالمی جنگوں ۔۔۔ پہلی عالمی جنگ (بحوالہ: پہلی عالمی جنگ بنیادی طور پر یورپ اور مشرق وسطی میں لڑی گئی جس میں ایک طرف مرکزی طاقتیں، جرمنی، آسٹریا ہنگری، ترکی، اور بلغاریہ تھے۔ اور دوسری طرف برطانیہ عظمی، فرانس اور روس تھے۔ جن کی معاونت امریکہ، بیلجیم، جاپان، اور دوسرے ممالک کر رہے تھے، جنگ کا آغاز ۲۸ جولائی ۱۹۱۴ء کو ہوا اور اس کا خاتمہ ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء میں

مرکزی طاقتوں کی شکست سے ہوا(۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء اور دوسری عالمی جنگ (بحوالہ:دوسری عالمی جنگ بنیادی طور پر جرمنی، اٹلی،اور جاپان کی تکڑی اور اتحادیوں خاص طور پر برطانیہ،فرانس،سوویت یونین،اور امریکہ کے درمیان لڑی گئی۔جنگ کا آغاز یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو پولینڈ پر جرمنی کے حملے کے ساتھ ہوا اور اختتام ۸ مئی ۱۹۴۵ء کو پہلے جرمنی اور ۱۴ اگست ۱۹۴۹ء کو جاپان کے ہتھیار ڈالنے کے بعد ہوا۔(۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء۔۔۔ میں ہونے والے خون خرابے کے چھینٹے ہی نہیں بلکہ صدی کے بالکل آغاز میں۔۔۔۱۹۱۴۔۔۔ قتل وغارت گری کی جو بنیاد پڑی تھی اس کے بازگشت دنیا کے مختلف گوشوں میں آج بھی سنائی دیتی ہے۔فی الحال جب کہ ہم اکیسویں صدی میں داخل ہو چکے ہیں دنیا کے متعدد مقامات پر جنگوں،خانہ جنگوں اور قتل وخون کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔کچھ دن پہلے امریکی اخبار " "USA TODAY نے بیسویں صدی کے اہم واقعات کے حوالے سے ایک عمومی سروے کروایا تھا۔اس سروے کے مطابق بیسویں صدی کا سب سے اہم واقعہ جنگ عظیم دوم تھی۔اس کے حق میں ۱۷ فیصد لوگوں نے رائے دی۔[46] بلاشبہ جنگ عظیم دوم بیسویں صدی کا ایک بہت بڑا واقعہ تھا اور اس امکان کو بھی مسترد نہیں کیا جا سکتا کہ اسے بیسویں صدی کا سب سے اہم واقعہ قرار دیا جائے۔اگر علم و دانش سے وابستہ حلقوں میں بھی ایک سروے کرایا جائے خاص طور پر ان لوگوں میں جنھوں نے بیسویں صدی عیسوی کا فکری اور نظریاتی مطالعہ کیا ہے یا سماجی علوم سے وابستہ رہے ہیں تو شاید ان کی نظر میں بھی بیسویں صدی کا اہم ترین واقعہ کمیونزم کا عروج وزوال قرار پائے۔بیسویں صدی کے آغاز میں کارل مارکس اور اینجلز کی فراہم کردہ نظریاتی بنیادوں پر کمیونزم کا نظریاتی عروج،کمیونیسٹ ریاستوں کا قیام اور کمیونزم کا سیلاب کی طرح بڑھتا ہوا پھیلاؤ اور پھر اسی صدی کی آخری دہائی تک پہنچتے پہنچتے کمیونزم کا نا صرف نظریاتی بلکہ جغرافیائی زوال بھی کمیونیسٹ ریاستوں کی مکمل شکست وریخت اتنا بڑا واقعہ ہے کہ علمی دنیا میں اسے آسانی کے ساتھ ہر گز نظر انداز نہیں کیا جا سکے گا۔

اسلام، مسلم دنیا اور مسلمانوں کے حوالے سے اگر بیسویں صدی عیسوی کا جائزہ لیا جائے اور ان سے وابستہ واقعات پر نظر ڈالی جائے تو شاید صدی کے آغاز میں مسلمانوں کے انتہائی زوال سے شروع ہونے والا یہ سلسلہ تیسری دہائی میں عثمانی خلافت کے سقوط سے شروع ہو کر صدی کے وسط میں فلسطین کے قلب میں اسرائیلی ریاست کا قیام، مسلم ممالک کی برطانوی اور دیگر مغربی استعمارات سے آزادی، مسجد اقصی کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلنا، عربوں اور اسرائیل کے درمیان ہونے والی تین بڑی جنگیں ، آزادی فلسطین کے لیے جاری پچاس سالہ جدو جہد اور پھر آخری دہائی کے آغاز میں جنگ خلیج اور آخر میں بوسنیا، کوسووا اور چیچنیا میں پیش آنے والے خونیں واقعات تک دراز ہو جائے گا۔اور ان میں اہم ترین واقعہ کی تعیین میں دشواری بھی پیش آئے گی۔البتہ اگر نظری طور پر مسلم دنیا کا جائزہ لیا جائے تو صدی کے اوائل میں خلافت عثمانیہ کا سقوط ہے۔[47] پھر اسی کی راکھ تلے دبی چنگاریوں سے احیاء اسلام کی کوششوں کا آغاز، سب سے اہم واقعہ قرار پائے گا کیوں کہ ان کوششوں کے نتیجے میں بیسویں

صدی کے آخر تک پہنچتے پہنچتے دنیا نے بڑی حد تک اسلام کو بحیثیت نظام تسلیم کر لیا ہے۔۱۹۱۷ء میں روس میں کمیونیسٹ انقلاب کے ذریعے کمیونزم کی سب سے بڑی نظریاتی و جغرافیائی ریاست سوویت یونین کا قیام اور پھر ۱۹۹۱ء میں سوویت یونین کا انتشار و خاتمہ اور کمیونزم کی سیاسی و سماجی محاذوں پر شکست کا دورانیہ صرف کمیونزم کے حوالے ہی سے اہمیت کا حامل نہیں ہے بلکہ اس وقفے کو اس لئے بھی اہمیت حاصل ہے کہ اسی دوران دنیا کے بیشتر ممالک نے یورپی استعمار سے نجات حاصل کر کے آزادی کی سانس لی۔۔۔البتہ ممالک کی ایک بڑی تعداد کمیونزم کی آہنی شکنجے میں بیسویں صدی کی آخری دہائی تک جکڑی رہی۔۔۔لیکن عملاً دنیا کے بیشتر ممالک بالواسطہ یا بلاواسطہ دو بلاکوں میں تقسیم رہے، جو اس وقت کی دو عالمی طاقتوں امریکہ اور سوویت یونین کے ناموں سے وابستہ تھے۔اس دوران ان وابسطہ ممالک کی تحریک تو ضرور وجود میں آئی۔امین الحسینی: فلسطینی مذہبی رہنما جنہوں نے اسرائیل کے قیام کی بھر پور مزاحمت کی،رابطہ عالم اسلامی کے قیام میں کلیدیرول ادا کیا۔ تیسری دنیا کے ممالک میں اسے مقبولیت بھی حاصل ہوئی اور کثیر تعداد میں ممالک نے اس کی رکنیت بھی حاصل کی۔لیکن اس کے رکن ممالک کی کسی بلاک سے عدم وابستگی پر ہمیشہ سوالیہ نشان لگا رہا۔

بیسویں صدی کی آخری دہائی میں سرمایہ دار اور اشتراکی بلاکوں میں تقسیم دو محوری دنیا سوویت یونین کے انہدام کے ساتھ ہی یک محوری ہو گئی، طاقت کا توازن بگڑ گیا اور اب امریکہ کی قیادت میں مغربی ممالک کا واحد طاقت ور فورم باقی رہ گیا ہے۔حالانکہ بیسویں صدی عیسوی کے وسط دنیا کمیوزم کے زوال کے بارے میں اسی طرح کچھ سننے کو تیار نہیں تھی جیسے کہ آج اگر کوئی کہے کے پچاس سال بعد امریکہ بکھر جائے گا یا اس کی عالمی طاقت کا خاتمہ ہو جائے گا۔یہی وجہ تھی کہ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں جب جارج کینن کا مضمون "X" شائع ہو کر منظر عام پر آیا۔مذکورہ مضمون میں کمیونزم کے زوال پر بحث کی گئی تھی۔تو اس پر کافی لے دے مچی، کمیونزم کے شیدائی کسی طور پر یہ ماننے کو تیار نہیں تھے کہ ان کا محبوب نظریہ جسے تیزی کے ساتھ فروغ حاصل ہو رہا ہے بہت جلد اپنے انجام کو بھی پہنچ سکتا ہے لہذا علمی حلقوں میں اس مضمون پر ایک طویل بحث چلی، لیکن شاید سچی بات یہی تھی کہ بیسویں صدی کے وسط ہی میں کمیونزم کا نظریاتی و سماجی زوال شروع ہو چکا تھا اور ۱۹۷۰ء کی دہائی تک پہنچتے پہنچتے تو اس کی آہنی دیواروں میں پڑنے والی دراڑیں بھی واضح طور پر محسوس کی جانے لگی تھی۔

مغرب کا سرمایادارانہ بلاک، جس کی قیادت امریکہ کے ہاتھ میں رہی ہے اس نے یورپ میں دیوار برلن کھڑی کر کے یورپ کو تو کسی حد تک کمیونزم کے بڑھتے ہوئے اثرات سے محفوظ کر لیا تھا لیکن دنیا میں بہت سارے علاقے ایسے تھے جہاں کمیونزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنا اس لیے آسان نہیں تھا گو وہاں کمیونزم کی براہ راست زد مغربی مفادات پر پڑتی تھی۔ مسلم دنیا خاص طور پر مشرق وسطی میں بھی کمیونزم مختلف راستوں اور واسطوں سے داخل ہو رہا تھا اس کو روکنے کے لیے امریکہ نے پہلے تو مفتی اعظم فلسطین امین الحسینی کو استعمال کیا۔ وابستہ ممالک کی تحریک کے روح رواں ہندوستان، مصر اور کیوبا جیسے ممالک

تھے، تحریک کے قیام میں مسز گاندھی، جمال عبد الناصر اور جنرل ٹیٹو نے قائدانہ رول ادا کیا۔ بعد ازاں سعودی حکمران شاہ فیصل کو استعمال کر کے رابطہ عالم اسلامی کے قیام کو یقینی بنایا گیا۔

بحوالہ: رابطہ عالم اسلامی: ۱۸ مئی ۱۹۶۲ء کو مکہ میں اس کا قیام عمل میں آیا۔ صدر دفاتر محکمہ ہی میں ہیں۔ خاص ہدف عرب دنیا میں ناصرازم بعث ازم کے فروغ کو روکنا تھا۔ مجلہ رابطہ العالم الاسلامی اور Muslim world league اس کے ترجمان ہیں۔

رابطہ عالم اسلامی کے قیام اور بعد میں اس کی عملی و علمی سرگرمیوں کا مطالعہ کرنے والا ایک عام طالب علم بھی اس خلا کو شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہے اور اس کو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ مسلمان دنیا کے وہی قلم جو کمیونزم کے نظریات اور اشتراکی اداروں کے خلاف لکھتے وقت تیغ براں بن جایا کرتے تھے مغربی سرمایہ دارانہ نظریات کے خلاف بالعموم تو اٹھے ہی نہیں اور اگر کبھی اٹھے تو ان کی سیاہی خشک ہوتی نظر آئی اور تنقید کا لہجہ نسبتاً بہت دھیما رہا۔ رابطہ عالم اسلامی کے مؤیدین اسکے رویے کو ترجیحات کا مسئلہ قرار دے کر اور یہ کہہ کر کہ اس وقت اشتراکیت کے سیلاب کو روکنا زیادہ اہمیت کا حامل تھا، اپنے ہم نواؤں کے بعض اشکالات کو تو دور کر سکتے ہیں لیکن ایک غیر جانبدار طالب علم کو مطمئن کرنے کے لیے یہ جواب کفایت نہیں کرے گا ، کیونکہ وہ صاف صاف دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اشتراکیت کی نظریاتی شکست کے ساتھ ہی رابطہ عالم اسلامی کی سرگرمیاں ماند پڑنے لگیں گیاور سوویت یونین کے زوال کے بعد تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا رابطے کا رول ہی ختم ہو گیا۔ رابطہ عالم اسلامی کی سرگرمیوں کا سلسلہ اگر کسی سطح پر باقی بھی ہے تو اسے بعض دوسری سمتوں میں موڑ دیا گیا ہے۔ بہر حال یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر مذکورہ پہلو سے غور و فکر کی ضرورت ہے اور اس پر مسلم علماء و دانش وروں کے درمیان مباحثہ شروع کیا جانا چاہیے بعید نہیں کہ اس کے نتیجے میں بعض ایسے پہلو بھی سامنے آئیں جو آنے والے کے لیے عبرت کا سامان فراہم کر دیں۔ بیسویں صدی عیسوی کی آخری دہائی کے آغاز میں جب کہ سوویت یونین کا انہدام عمل میں آیا، اس سے تقریباً دو سال پہلے ہی جب مغربی اور مشرقی جرمنی کو دو حصوں میں تقسیم کرنے والی دیوار برلن ۹ نومبر ۱۹۸۹ء کو منہدم کر دی گئی، اسی وقت یہ حقیقت بڑی حد تک تسلیم کی جا چکی تھی کے اشتراکیت کم از کم عملی میدان میں مغربی سرمایہ داری سے شکست کھا چکی ہیاور اب اس کا زوال یقینی ہے اس وقت کے سوویت صدر میخائیل گورباچوف سوویت یونین کے زوال کو تو نہ روک سکے البتہ شکست وریخت کے اس مرحلے میں وہاں بڑے پیمانے پر خون خرابے کو روکنے میں ضرور کامیاب رہیاور ۱۹۹۱ء میں سوویت یونین کا وجود ختم ہو کر قصہ پارینہ بن گیا۔ سوویت یونین کے خاتمے کے ساتھ ہی عالمی نظام میں اس کے رول کا بھی خاتمہ ہو گیا۔۔۔ حالانکہ روس نے اس کا جانشین بننا چاہا اور بعض معاملات میں وہ کامیاب بھی رہا، مثلاً سلامتی کونسل میں حق استرداد کے استعمال کا حق وغیرہ لیکن سوویت یونین کی حقیقی جانشینی اسے نہ مل سکی۔۔۔ اور اس کے روایتی حریف، مغرب نے جس کی قیادت امریکہ کے ہاتھ میں تھی اور ہے، بالآخر

فتح پالی۔ دنیا میں طاقت جو دو محوروں کے گرد مرکوز تھی اب یک محور ہو گئی۔ سوویت یونین کے انہدام کے بعد بین الاقوامی معاملات میں امریکہ کی مداخلت، عالمی سیاست میں امریکی رویہ اور یک قطبی عالمی نظام کے قیام کے لیے کی جانے والی امریکی کوششیں اس سلسلے میں وافر ثبوت بہم پہنچاتی ہیں کہ دنیا میں اب واحد سپر پاور صرف اور صرف امریکہ ہے۔ امریکہ کو اپنی اس حیثیت کا بخوبی احساس بھی ہے اور اپنی موجودہ پوزیشن کو وہ آیندہ بھی برقرار رکھنے کا خواہاں ہے حال کے عالمی سیاسی حالات و ظروف کا تجزیہ اس نتیجے تک پہنچاتا ہے کہ امریکہ واحد سپر پاور کی اپنی موجودہ پوزیشن برقرار رکھنے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے اور اس کے لیے اس نے تیاری بھی کر رکھی ہے۔ موجودہ عالمی سیاست میں امیریکی سیاست سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب کچھ برداشت کر سکتا ہے مگر دنیا کے کسی بھی ملک یا ممالک کا کوئی بھی ایسا اقدام جس سے اس کی بالادستی پر حرف آتا ہو، ہرگز برداشت نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کے امریکی سیاست دان ہی نہیں امریکی دانش وروں اور مفکرین کی اکثریت بھی ہر وہ دروازہ بند کرنے کے لئے کوشاں ہے جہاں سے اس کے لئے ممکنہ خطرات پیدا ہو سکتے ہیں خواہ چین کے ساتھ اس کے تعلقات کی نوعیت ہو یا بھارت اور پاکستان کے جوہری تجربات پر اس کا رد عمل۔ مشہور امریکی مستقبل شناس فوکویاما کی تصنیف "THE END OF HISTORY" نے اس ضمن میں خاصی شہرت حاصل کی جس میں سوویت یونین کے زوال کے بعد کی دنیا میں صرف امریکہ کی بالادستی قائم رہنے کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔

بلاشبہ امریکہ موجودہ دور میں جمہوریت اور جمہوری اداروں کا سب سے بڑا چمپین تسلیم کیا جاتا ہے لیکن وہی امریکہ جب محسوس کرتا ہے کے بعض ملکوں میں جمہوریت کے راستے امریکی مفادات پر ضرب پڑ سکتی ہے یا اسے کسی قسم کا دوسرا نقصان اٹھانا پڑ سکتا ہے تو وہ اپنی ساری جمہوریت نوازی کو ایک طرف ڈال دیتا ہے اور بادشاہتوں اور فوجی آمریتوں کو نہ صرف قبول کر لیتا ہے بلکہ ان کا سب سے بڑا پشتیبان بن کر سامنے آتا ہے جو جمہوری روایات اور اقدار کا برسر عام خون کرتی ہے۔ ممکنہ احتیاطی تدابیر کے باوجود امریکہ کو متوقع خطرات کا خوف ہمہ آن پریشان کیے رکھتا ہے اور اسے ای کی تلاش رہتی ہے۔ اس امریکی کوشش کے نتیجے میں ابھی تک سب سے زیادہ جس پوٹینشیل خطرے کو تلاش کرنے میں امریکی نظریہ ساز کامیاب ہوئے ہیں وہ ہے اسلام اور مسلم دنیا، خاص طور پر وہ مسلم ممالک جہاں احیائی اسلامی تحریکات جاری ہیں اور عوامی سطح پر اپنے اثرات بڑھانے میں کامیاب ہیں۔ گو یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ موجودہ مسلم دنیا میں کہیں بھی اور کسی بھی سطح پر یہ صلاحیت نہیں پائی جاتی کہ وہ امریکہ یا مغرب کا مقابلہ کر سکے، اس کے امکانات بھی کہیں دور دور تک نظر نہیں آتے تاہم امریکی اور مغربی نظریہ سازوں ،دانش وروں اور سیاست دانوں کی ایک معدبہ تعداد بڑے ہی زور وشور کے ساتھ اس مفروضے کے پروپگینڈے میں مصروف ہے کہ بدلے ہوئے عالمی سیاسی ماحول میں امریکی بالادستی کو اگر کسی جانب سے خطرہ درپیش ہے تو وہ موجودہ مسلم دنیا ہے، ان لوگوں کے خیال میں موجودہ مسلم دنیا کے پاس صرف افرادی قوت ہی نہیں بلکہ وسائیل اور مختلف طرح کی صلاحیتیں بھی اس

وافر مقدار میں موجود ہیں کہ ان کی معمولی سی ترتیب و تشکیل کسی بھی وقت مسلم دنیا کو امریکہ کے مد مقابل کھڑا کر سکتی ہے۔اس سلسلے میں اسلام نظریہ قوت محرکہ کا کام کرے گا۔مغربی مفکرین اور دانش ور اپنے اس خیال کی تائید میں عصر حاضر کی احیائی اسلامی تحریکات کو پیش کرتی ہے کہ انھیں ناموزوں بلکہ اکثر حالات میں مخالفانی و معاندانہ حالات اور ماحول میں بھی مسلم دنیا میں کافی رسوخ حاصل ہو گیا ہے اور ان تحریکات کی عوامی جڑیں روز بروز گہری اور مضبوط ہوتی جارہی ہیں۔یہ سلسلہ اگر آیندہ بھی جاری رہتا ہے تو مسلم دنیا میں امریکہ کے خلاف کسی بھی وقت خطے کی گھیٹی بج سکتی ہے،امریکیوں کے اس خیال کو تقویت احیائے اسلامی سے وابستہ تحریکات کے اندر پائے جانے والے امریکہ مخالف رجحان سے ملتی ہے اور موقع بہ موقع مختلف اسلامی تحریکوں کے رویوں سے اس کا اظہار بھی ہوتا رہتا ہے۔مثلاً جنگ خلیج کے دوران مسلن دینا کی تقریباً تمام اسلامی تحریکات کا ردعمل عراق پر امریکی اور متحدہ افواج کے حملوں کے بعد امریکہ مخالف ہو گیا گو کویت پر عراقی قبضہ کے آغاز میں ان کا رویہ کویت کے ساتھ ہمدردانہ تھا۔اسی عراق پر دوسرے حملے کے وقت نہ صرف مسلم عوام بلکہ بیشتر مسلم حکومتوں نے بھی امریکی کارروائی کی مذمت کی۔

بیسویں صدی کے آغاز میں۔۔۔یعنی تیسری دہائی کے ابتدائی برسوں میں۔۔۔اگر ایک طرف عثمانی خلافت کا زوال اپنی انتہا کو پہنچ کر اس کے سقوط پر انجام پزیر ہوا تو اسی دوران یعنی بیسویں صدی کے آغاز میں یا اس سے کچھ قبل اور بعد مسلم دنیا میں اسلامی احیاء کی ان بیشتر تحریکات کا آغاز ہوا جنھوں نے مسلم امت کی وحدت اور نظام اسلامی کا آوازاہ بلند کیا۔اسلامی احیاء کی یہ تحریکات اپنے ممالک اور علاقوں کے حالات اور ظروف کے مطابق مختلف اوقات میں وجود میں آئیں البتہ ان سب میں قدر مشترک یہ تھی کہ تھی کہ یہ تحریکات اسلام کے ایک مکمل نظام حیات ہونے پر یقین رکھتی تھیں جو ہر زمانے میں قابل عمل اور قابل نفاذ ہو سکتا ہے۔احیاء اسلام کی ان تحریکات میں ایک قدر مشترک یہ بھی تھی کہ ان پر اسلام کی سیاسی تعبیر کا غلبہ تھا خواہ اس کا سبب یہی کیوں نہ رہا ہو کہ یہ تحریکات ان حالات میں وجود میں آئیں اور پروان چڑھیں جب مسلم دنیا کے بیشتر علاقے سیاسی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔اس سے قطع نظر کے مسلم دنیا میں وجود پذیر ہونے والی احیاء اسلام کی ان تحریکات کر وجود میں آنے کے اسباب و محرکات کیا تھے۔انہوں نے اپنے جو مقاصد متعین کیے تھے ان تک پہنچنے میں انھیں کامیابی ملی یا نہیں اور اگر ملی تو کس حد تک اور اگر نہیں ملی تو کیوں نہیں ملی، یہاں یہ حقیقت تسلیم کی جانی چاہیے کہ آیندہ ادوار میں خواہ انہیں سیاسی مقبولیت نہ بی حاصل ہو ان تحریکات کی عوامی جڑیں کافی مضبوط ہوئیں۔حالانکہ سیاسی اقتدار تک پہنچنے کے مواقع یا تو ان تحریکات کو ملے ہی نہیں یا اگ ملے تو بہت ہی کم یا محدود پیمانے پر۔اسلام یا مذہب کے نام پر مکمل طور پر نظام کی تبدیلی کا بیسویں صدی عیسویں کی مسلم دنیا میں شاید سب سے پہلا اور اہم تجربہ ایران میں آٹھویں دہائی کے اواخر میں ہوا۔۔۔ یہاں اس بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ ایرانی انقلاب کتنا اسلامی تھا اور کتنا شیعی تھا۔۔۔حقیقت واقعہ یہ ہے کہ

ایرانی انقلاب میں مذہب ایک اہم عامل کی حیثت سے کافرمارہا ممکن ہے اس کا ایک سبب شعیہ مسلک میں امام کا تصور اور شعیی دینیات میں مذہبی رہنماؤں کا مخصوص مقام رہاہو، جس کے تحت انھیں مذہبی اتھارٹی کے ساتھ ساتھ بڑی حد تک سیاسی اتھارٹی بھی حاسل ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایرانی انقلاب پہلے پہل کلی طور پر نہ مذہبی تھا اور نہ ہی اس انقلاب کی قیادت مکمل طور پر مذہبی رہنماؤں کے ہاتھ میں تھی بلکہ انقلاب ایران کی تاریخ اور اس کے پس منظر کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ آغاز انکلاب کے وقت اشتراکی نظریات کے حاملین بھی بہت ہی پیش پیش تھے اور انقلاب میں ان کا رول بھی بہت اہم تھا یہ الگ بات ہے کہ انقلاب کے دوران ہی اور انقلاب کے بعد بھی ایران کی داخلی صورت حال کچھ ایسی بنی کے سیاسی قیادت پورے طور پر ایرانی علماء اور مذہبی رہنماؤں کے ہاتھ میں آگئی اور اشتر کی عناصر یا تو کنارے لگا دیے گئے تھے یا پھر انقلاب کی بھیٹ چڑھ گئے۔ ایرانی انقلاب کے حوالے سے علمی بحث و مباحثے کا ایک دل چسپ موضوع یہ بھی ہے کہ ایران کی انقلابی قیادت آیا شاہ ایران کی امریکہ نوازی، امریکہ کو ایران کے اندرونی معاملات میں حاصل رسوخ اور شاہ کو حاصل امریکی حمایت کے سبب شدت کے ساتھ امریکہ مخالف ہوئی یا پھر اس مخالفت کے پیچھے انقلاب میں پیش پیش اشتراکی نظریات کے حاملین کا بھی کوئی خاص رول تھا۔

ایک طرف زوال آمادہ کمیونزم کے زور میں کہیں واقع ہو رہی تھی اور اس کا ممکنہ خطرہ بھی اپنے انجام کو پہنچتا نظر آرہا تھا جس سے بہر حال مغرب بلخصوص امریکہ کو راحت وطمانیت حاصل ہو رہی تھی تو دوسری جانب امریکہ کو یہ اندیشہ بھی لاحق تھا کہ کہیں کوئی دوسرا خطرہ سامنے نہ آجائے۔ اس صورت حال میں ایرانی انقلاب کی آمد اور پھر اس کی کامیابی نے اس امریکی اندیشے کو خاصی تقویت بھی دی۔ اس سلسلے میں ایران کی انقلابی قیادت کے امریکہ مخالف رویے نے بھی جلتی پر تیل کا کام کیا۔ دوسری جانب بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں ہی مسلم دنیا میں اسلامی احیاء کے لیے کام کرنے والی بعض تحریکات میں قوت کے استعمال کے ذریعے اقتدار پر قابض ہونے کے رجحان کو کافی فروغ حاصل ہوا جس نے مغربی سیاست دانوں اور دانش وروں میں ممکنہ خطرے سے متعلق خدشے کو مزید تقویت ملی۔ شاید یہی وجہ ہے جو ہمیں نظر آتا ہے کہ انقلاب ایران کے فوراً بعد سے ہی مذہب اسلام اور اس سے وابستہ احیاء اسلامی کی کوششوں کو مغرب اور امریکہ نے بہت ہی شدت کے ساتھ محسوس کرنا شروع کیا اور انہیں ایک نئے اور پوٹینشیل خطرے کا بگل جانا۔ بیسویں صدی عیسویں کی آخری دو دہائیوں کے دوران سابق سوویت یونین کے انتشار اور کمیونزم کے نظریاتی زوال کے بعد تو ایسا لگتا ہے کہ مغرب اور اس کے دانش وروں کے سامنے اب بس ایک ہی چیلنج رہ گیا ہے اور بیسویں صدی عیسویں کی آخری دہائی کے پورے دورانیے میں تو صرف اسی ایک خطرے کی گونج سنائی دیتی رہی کہ اسلام۔۔ سیاسی اسلام۔۔ نہ صرف امریکہ اور مغرب کے لئے بلکہ پوری دنیا اور انسانیت کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے یا بن سکتا ہے۔

اسلام ۔۔۔سیاسی اسلام۔۔۔کا مطالعہ بحیثیت ایک پوٹینشیل سیاسی خطرے کے جتنا بیسویں صدی عیسویں کی آخری تین دہائیوں میں کیا گیا ہے شاید تاریخ کے کسی بھی دور میں اسلام کا ایسا مطالعہ اس بڑے پیمانے پر نہ ہوا ہو۔اس میں بہت زیادہ تیزی ۱۹۷۹ء میں انقلاب ایران کے بعد آئی جب مغرب کے سامنے یہ بات آئی کہ مذہب بھی کسی انقلاب کی بنیاد پر بن سکتا ہے، گو مغربی مفکرین اور دانش وروں کا ایک بڑا طبقہ ابھی تک ایرانی انقلاب کی دیگر سیاسی و اقتصادی وجوہات تلاش کرنے میں سر گرداں ہے، اور صدی کی آخری دہائی میں تو مطالعے اور غور و فکر کا سب سے بڑا موضوع اسلام اور مسلم دنیا ہی رہی۔ دہائی کے آغاز ہی میں جنگ خلیج، یورپ کے قلب میں بوسنیا ہرزے گوینا کی چھوٹی سی مسلم ریاست کا وجود میں آنا، چینچنیا کا اعلان خود مختاری اور پھر کوسووکی سربیا کے چنگل سے آزادی کی جدوجہد، فلسطین اور اسرائیل کے درمیان بات چیت کا آغاز، معاہدہ فلسطین، نیم خود مختار اتھارٹی کا قیام اور اس دوران آنے والے دیگر اتار چڑھاؤ ایسے واقعات رہے جن کے درمیان اسلام کا بحیثیت ایک مذہبی عنصر کے مطالعہ ہوتا رہا۔

مغربی مفکرین اور دانش وروں کا ایک بہت ہی بڑا اور منظم گروہ ہے جو آئندہ صدی میں اسلام اور مسلم دنیا کو۔۔۔خاص طورہ پر احیاء اسلام سے متعلق کوششوں کو۔۔۔مغرب اور امریکہ کے لیے سب سے بڑا خطرہ اور چیلنج بنا کر پیش کرنے میں مصروف ہے۔اس گروہ کے سرخیل برنارڈلوئس اور سموئیل پی ہنٹنگٹن جیسے امریکی دانش ور ہیں بہر حال اسی مغرب میں دانش وروں اور مفکرین کا ایک ایسا مختصر گروہ ہے، جو اسلام اور مسلم دنیا کو مغرب خاص طور پر امریکہ کی بالادستی کے لیے خطرہ باور نہیں کرتا ہے۔اس گروہ کے سر خیل جان ایل اسپوزیٹو ہیں یہ گروہ اپنے موقف کے حق میں معقول اور مضبوط دلائل بھی رکھتا ہے۔ البتہ ایک نقطے پر مغربی مفکرین اور دانش وروں کے یہ دونوں گروہ متفق نظر آتے ہیں اور وہ ہے احیائے اسلام سے متعلق کوششوں کو مسئلہ سمجھنا یعنی یہ کوششیں خواہ مستقبل میں خطرہ نہ بنیں لیکن جدید دنیا کے لئے بعض مسائل ضرور کھڑے کریں گی۔

اس موقع پر یہ وضاحت بھی ضروری محسوس ہوتی ہے کہ موجودہ دنیا میں احیائے اسکام کے لئے جتنی بھی اور جہاں جہاں بھی کوششیں ہو رہی ہیں یا تحریکیں چل رہی ہیں وہ واضح طور پر وہ دو حصوں میں تقسیم ہیں ان میں سے ایک گروپ موجودہ رائج جمہوری طریقوں اور وسائل ہی کو استعمال کرتے ہوئے نظام کی تبدیلی کی بات کرتا ہے۔اسے بعض مقامات پر جزوی کامیابیاں بھی ملی ہیں اور احیائے اسلامی کی تحریکات میں غلبہ اور اکثریت اسی گروپ کو حاصل ہے۔ ایک دوسرا گروپ انتہاء پسندانہ خیالات رکھنے والے جنگجو گروپوں کا ہے یہ گروپ نسبتاً بہت ہی چھوٹا ہے۔ یہ طاقت کے استعمال کے ذریعے نظام کی تبدیلی کی بات کرتا ہے اور اس کے لئے مسلح جدوجہد کو ضروری سمجھتا ہے اور اسی میں یقین بھی رکھتا ہے۔ وہ مغربی طاقتیں جو خود کو جمہوریت کا سب سے بڑا علم بردار کہتی اور سمجھتی ہیں مگر ان کی جمہوریت نوازی کے سارے دعوے اس وقت کھوکھلے ثابت

ہوتے نظر آئے جب مسلم دنیا کے بعض ممالک میں جمہوری طور پر آنے والی تبدیلی کو بھی صرف اس بنیاد پر قبول نہ کرتے ہوئے روک دینے کی کوشش کی گئی کہ اس طرح اسلام پسندوں کو اقتدار تک پہنچنے کا موقع مل رہا تھا۔ فوج یا کسی اور ذریعہ سے ان ملکوں میں آنے والی اس تبدیلی کو روکنے میں یا تو ان کا براہ راست رول رہا یا ان کے اس اقدام پر جمہوریت کے علمبرداروں نے پر اسرار خاموشی اختیار کیے رکھی۔ بہر حال مسلح جدوجہد کے ذریعے نظام کی تبدیلی میں یقین رکھنے والا یہ گروہ مختصر اور محدود ہے۔

خواہ اسلامی دنیا میں جاری احیائی تحریکات کو مغرب کے لئے خطرہ باور کرنے والا مغربی مفکرین کا طبقہ ہو یا انہیں کسی قسم کا خطرہ نہ تسلیم نہ کرنے والا گروپ، دونوں ہی اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ احیائے اسلامی تحریکات مغرب، اس کے جدید عالمی نظام اور خود ان ممالک کے لئے جہاں وہ جاری ہیں ایک بہت بڑا مسئلہ ہیں کیونکہ ان کے خیال میں چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد اسلامی نظام موجودہ ترقی یافتہ دنیا کی ضرورت پوری نہیں کرتا جس کے احیاء کی کوششوں میں یہ تحریکات مصروف ہیں۔ دنیا میں اسلام کا بطور نظام احیائی تصور رکھنے والا اور اس کا آوازہ بلند کرنے والا خواہ اعتدال پسندوں کا طبقہ ہو یا انتہاء پسندوں کا ان کے لئے موجودہ مغرب میں جو اصطلاح سب سے زیادہ اور عام رائج ہے وہ ہے اسلامی بنیاد پرست "ISLAMIC FUNDAMENTALIST" کی، اس طرح کی جتنی اور جہاں کہیں بھی تحریکات جاری ہیں انھیں اسلامی بنیاد پرستی کا نام دیا جاتا ہے۔ احیاء اسلامی سے متعلق تحریکات کے بارے میں مغرب کا یہ نقط نظر۔۔۔ جس کے خالق بجا طور پر وہ مغربی مفکرین اور دانش ور ہیں جنھوں نے جدید اسلامی تحریکات کا وسیع مطالعہ کیا ہے یا اس کے لئے کوشش کی ہے۔۔۔ کتنا حقیقت پسندانہ اور مبنی پر انصاف ہیا اور اس کا سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ یہاں اس وضاحت کی شاید کوئی ضرورت نہیں کہ اسلامی بنیاد پرستی کی جدید اصطلاح خالص مغربی اصطلاح ہے اور باقی دنیا میں اس کا رواج مغربی ذرائع ابلاغ کا رہین منت ہے، مسلمانوں کے لئے بنیاد پرست کی اصطلاح کے استعمال کے شواہد بیسویں صدی عیسویں کی آخری تین دہائیوں سے پہلے شاید کہیں بھی نہ ملیں۔

اسلامی بنیاد پرستی کی اصطلاح کا احیا اسلامی تحریکات کے تصور اسلام کے استعمال سے کیا صحیح ہے؟ اس اصطلاح کا ان کے لئے استعمال کتنا مبنی پر حقیقت ہے؟ اور مسلمانوں کے لئے یہ اصطلاح استعمال کی جانی چاہیے کہ نہیں یہاں ہم یہی جاننے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ اسلام یا مسلمانوں کے لئے "FUNDAMENTALISM" کی اصطلاح بظاہر درست نہیں معلوم ہوتی خاص طور پر اس وقت جب اصطلاح کا وسیع تاریخی پس منظر بھی کسی کی نظر میں ہو۔ بنیاد پرستی کے مالہ وماعلیہ کا جاننا اس لئے بھی ناگزیر اور ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اس کے کثرت استعمال اور رواج پا جانے کے سبب بہت سارے لوگ بے سوچے سمجھے اور اس کے تاریخی پس منظر کو ذہن میں رکھے بغیر ہی اسے استعمال کرنے لگے ہیں بنیاد پرستی کی اصطلاح کے عموم اور زبان زد خاص

وعام ہو جانے کا ایک طرفہ تماشا یہ بر آمد ہوا کہ سادہ لوح مسلمان بھی محض اپنی سادہ لوحی کے سبب اپنے لئے یا کسی دوسرے باعمل مسلمانوں کے لئے یہ اصطلاح استعمال فخریہ کرنے لگے ہیں۔ در حقیقت اسلام بنیاد پرستی کی اصطلاح کو استعمال کرتے وقت اس کا اصطلاحی مفہوم نظر میں نہ ہو کر محض لغوی مفہوم ہی ان کے ذہن میں رہتا ہے یعنی اسلامی بنیاد پرستی اسلام کے بنیادی اصولوں، توحید و رسالت، معاد وغیرہ۔۔ کو مان لینے اور ان پر عمل پیرا رہنے کا نام ہے۔ حالانکہ بنیاد پرستی کی اصطلاح کے استعمال کا ایک مخصوص روایتی اور تاریخی پس منظر ہے جس کو جانے بغیر اس اصطلاح کو نہ تو صحیح طور سے برتا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کے ساتھ انصاف کیا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

[1] Longman Dictionary of contemporary English, Third Eddition, p-455

[2] Oxford Advanced Lerner,s Dictionary of Current English,A S Hornby,Eighth Edition.P.505

[3] کیرن آرم سٹرانگ، خدا کی تاریخ، طبع المطبعۃ العربیہ، لاہور، 2008ء ص:88

[4] خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، مطبوعہ شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی کراچی، ص:۷۷، ۸۱

[5] What is enlightement? The Founcult Reader, Newyork Pantheon Books.1984, pp32-50

[6] 98-What is enlightement? The Founcult Reader, Newyork Pantheon Books.1984, pp 32-50.

[7] Longman Dictionary Op.cit. , p-1521.

[8] Oxford Advanced Lerner,s Dictionary of Current English,A S Hornby,Eighth Edition.P.1629

[9] Encyclopedia of Religious Freedom,Editor Catharine Cookson,Routledge New york London P-399,400.

[10] قاضی، سعید اللہ، پروفیسر ڈاکٹر، اسلام اور جدید ذہن کے مسائل، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ص:۲۶۷

[11] عسکری، حسن، جدیدیت، ادارہ فروغ اسلام لاہور، اکتوبر ۱۹۹۷ء، ص:۶۵

[12] عسکری، حسن، جدیدیت، ادارہ فروغ اسلام لاہور، ص :۷۲، ۷۱

[13] عسکری، حسن، جدیدیت، ادارہ فروغ اسلام، لاہور، اکتوبر ۱۹۹۷ء، ص:۷۴

[14] عسکری، حسن، جدیدیت، ادارہ فروغ اسلام لاہور، اکتوبر ۱۹۹۷ء، ص ۸۹، ۸۷

[15] جمال الدین ابن منظور، علامہ ابو الفضل، لسان العرب: ص:234 ج:6

[16] مودودی، ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج:۳، ص:۴۰۶، ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور، اشاعت:۱۹۹۶

[17] سورۃ النور ۲۴: ۳۵

[18] الازہری، کرم شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز اردو بازار لاہور، ج:۳ ص:۳۲۴ تا ۳۲۵

[19] مودودی، ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج:۳، ص:۴۰۵ تا ۴۰۷، ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ

[20] ابو القاسم الحسین بن محمد المعروف: امام راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، مکتبہ صدیقیہ محلہ عیسیٰ خیل نیو روڈ میانوالی سوات، اشاعت:۱۴۱۷، ص:۳۳۲۔(23 (سعیدی، مولانا غلام رسول، مقالات سعیدی، فرید بک سٹال لاہور، ص ۵۷ تا ۶۰۔

[21] الازہری، کرم شاہ، ضیاء القرآن، ج:۵، ص:۲۳۹

[22] بنی اسرائیل ۱۷:۱

[23] مودودی، ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج:۲، ص:۵۴۰، ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور، اشاعت:۱۹۹۶

[24] الازہری، کرم شاہ، ضیاء القرآن، ج:۱، ص:۳۴۴

[25] محمود، ڈاکٹر، محاظرات فقہ، ص:۱۴۰

[26] الازہری، کرم شاہ، ضیاء القرآن، ج:۱، ص:۲۹۰

[27] الشوریٰ ۴۲:۳۷ تا ۳۸

[28] سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۱۱۰۔

[29] بنی اسرائیل ۱۷:۲۸

[30] طبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الاوسط ریاض، سعودی عرب: مکتبہ المعارف، ۱۹۸۵ء، ۲۵:۷ رقم:۶۷۴۴۔

[31] طبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الکبیر، قاہرہ مصر، مکتبہ ابن تیمیہ، ۱۰۸:۱۰، رقم:۱۰۱۱۸۔

[32] ہیثمی، نور الدین ابو الحسن بن ابی بکر بن سلیمان۔ مجمع الزوائد بیروت، لبنان: دار لکتاب العربی، ۱۹۸۷ء، ۲۵۲:۱۰۔

[33] البقرہ ۲:۱۲۰

[34] المجادلہ ۵۸: ۲۲

[35] التوبہ ۹:۲۳

[36] المائدہ ۵:۵۷

[37] آل عمران ۳:۱۱۸

[38] المائدہ ۵: ۸۰

[39] المائدہ ۵:۸۱

[40] المائدہ ۵:۸۲

[41] النساء ۴:۱۴۴

[42] ڈاکٹر مصطفی سباعی، مترجم سیّد معروف شاہ شیرازی، اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو، مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ ۱۹۸۸ء، ص:۱۶, ۱۱۵

[43] سباعی ڈاکٹر مصطفی، مترجم: سیّد معروف شاہ شیرازی، اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو، مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز) پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ ۱۹۸۸ء، ص:۱۷, ۱۱۶۔

[44] ڈاکٹر مصطفی سباعی، مترجم سیّد معروف شاہ شیرازی، اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو، مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ ۱۹۸۸ء، ص:۱۱۶

[45] بخاری، محمد صدیق شاہ، رواداری اور مغرب، ص:86

[46] News Released by AFP,Dehli Edition,Asian Age,19-11-1999

[47] عبید اللہ فہد، جدید ترکی میں اسلامی بیداری، ھلال پبلی کیشنز، دہلی، ۱۹۹۸ء، ص